Undergraduate Program
Ability Enhancement Courses (AEC) (MIL)
اردو شاعری: قواعد اور بلاغت کا مطالعہ
Urdu Shaeri: Qawaed aur Balagat ka Mutala (2CP)
Course Code: AECL205
Book Code: AECL2052

यशवन्तराव चव्हाण महाराष्ट्र मुक्त विद्यापीठ ज्ञानगंगा घरोघरी

Semester-III

کتاب: دوم

Book: 02

اردو نظم کا مطالعہ

Urdu Nazm Ka Mutala

مصنفہ: ڈاکٹر شبنم افروز

اکائی 1 : نظیر اکبر آبادی اور حالی

اکائی 2 : اقبال اور چکبست

اکائی 3 : اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی

اکائی 4 : فیض احمد فیض اور اختر الایمان

Yashwantrao Chavan Maharashtra Open University, Nashik

Vice-Chancellor: Prof. Sanjeev Sonawane

Director : Prof. Nagarjun Wadekar, School of Humanities and Social Sciences

School Council, School of Humanities and Social Sciences

Prof. Nagarjun Wadekar (Chairman)
Director, School of Humanities
and Social Sciences,
Y.C.M. Open University,
Nashik (MS)

Prof. Jaideep Nikam
Director and Senior Professor, School
of Continuing Education,
Y.C.M. Open University,
Nashik (MS)

Prof. Shivaji Sargar
Director, Distance and Online
Education Centre, University of
Mumbai, Vidyanagari,
Kalina, Mumbai (MS)

Prof. Prakash Pawar
Head, Department of Political Science,
Shivaji University, Vidyanagar,
Kolhapur (MS)

Prof. Rajendra Kumbhar
(Retired) Head, Department of
Library and Informatics, Savitribai
Phule Pune University,
Ganeshkhind Road, Pune (MS)

Prof. Sanjay Tambat
Head, Department of
Communication and Journalism,
Savitribai Phule Pune
University,
Ganeshkhind Road, Pune (MS)

Prof. Chetana Kamalaskar
Director, School of Science,
Y.C.M. Open University,
Nashik (MS)

Prof. Sandeep Chaudhary
Head, Department of Sociology,
Saraswati Bhuvan College, Saraswati
Colony, Aurangpura, Chhatrapati
Sambhajinagar (MS)

Prof. Devendra Ingale
Head, Department of History,
Moolji Jaitha College
(Autonomous), Jalgaon (MS)

Dr. Latika Gaikwad
Associate Professor,
School of Commerce and Management,
Y.C.M. Open University,
Nashik (MS)

Dr. Subhash Sonune
Assistant Professor,
School of Education,
Y.C.M. Open University,
Nashik (MS)

Programme Advisory Committee (PAC)

Prof. Nagarjun Wadekar (Chairman)
Director, School of Humanities and
Social Sciences,
Y.C.M. Open University,
Nashik (M.S.)

Prof. Mohammad Shahid Husain
Former Chairman,
Centre of Indian Languages,
School of Language, Literature and
Culture Studies, JNU, New Delhi

Prof. Mohd. Moazzamuddin
Department of Education in
Languages, NCERT,
Sri Aurobindo Marg,
New Delhi

Prof. Mohd. Mahfooz Khan
(Ahmad Mahfooz)
Head, Department of Urdu,
Jamia Millia Islamia,
New Delhi

Prof. Abu Shaheem Khan
Department of Urdu,
Maulana Azad National Urdu
University, Hyderabad, (T.S.)

Prof. Shah Alam
Department of Urdu,
Jamia Millia Islamia,
New Delhi

Prof. Sardar Pasha
Head, Department of Urdu,
Azad Mahavidyalaya,
Ausa Latur (M.S.)

Prof. Quazi Naweed A. Siddiqui
Head, Department of Urdu,
Maulana Azad College,
Sambhajinagar (M.S.)

Dr. Pervez Ahmed
Associate Professor,
Centre of Indian Languages,
JNU, New Delhi

Dr. Abu Omair (Omair Manzar)
Associate Professor,
Department of Urdu,
Maulana Azad National Urdu University,
Lucknow Campus, Lucknow

Dr. Abdullah Imteyaz Ahmad
Associate Professor and Head,
Department of Urdu,
University of Mumbai, Mumbai

Dr. Wazhul Qamar Siddiqui
Assistant Professor,
Department of Urdu,
University of Mumbai, Mumbai

Course Code : AECL205, Book Code : AECL2052, Book Title : Urdu Nazm ka Mutala

Yashwantrao Chavan Maharashtra Open University

Vice Chancellor : Prof. Sanjeev Sonawane

Director: Prof. Nagarjun Wadekar, School of Humanities and Social Sciences

Writer

Dr. Shabnam Afroz
Department of Urdu
West Bengal State University,
Barasat, Kolkata-700126

Editor

Review Committee

Prof. Ahmad Khan
Centre for Urdu Culture Studies,
Maulana Azad National Urdu University,
Gachibowli Hyderabad-500032

Prof. Sayyed Zakir Ali
Ex. Principal Kohinoor College Khudabad
Plot No. 04, Near Madarsa Anwar ul uloom
Almas colony, Mehrun, Jalgaon -425003 (M.S)

Dr. Sanjay Kumar
Associate Professor and Head
Department of Urdu, University of Allahabad
Prayagraj, Uttar Pradesh-211002

Dr. Ansari Masood Akhtar
Associate Professor and Head
Department of Urdu,
MSS's Ankushrao Tope College, Jalna (M.S.)

Dr. Anwaruddin
Associate Professor , Department of Urdu
Govt. Degree College for Women
Husaini Alam, Hyderabad-500046

Dr. Abdurrab
Associate Professor,
Department of Urdu, Maulana Azad College
Chhatrapati Sambhajinagar, Maharashtra-431001

Programme Coordinator

Dr. Rasheed Ashraf Khan
Academic Coordinator (Assistant Professor)
School of Language, Literature and Culture Studies
YCMOU, Nashik

IT & Language Editor

Dr. Rasheed Ashraf Khan
Academic Coordinator (Assistant Professor)
School of Language, Literature and Culture Studies
YCMOU, Nashik

Production

Mr. Vilas Badhan
Head, (Act.) Print Production Centre, YCMOU, Nashik

© **2026** Yashwantrao Chavan Maharashtra Open University, Nashik

☆ **First Edition:** December, 2026 **Publication No.:**
☆ **Proof Reader:** Mr. Azmatullah Siddiqui
☆ **Printed by:**
☆ **Published by :** Registrar, Yashwantrao Chavan Maharashtra Open University, Nashik

ISBN:

اردو شاعری: قواعد اور بلاغت کا مطالعہ (AECL205)

کورس کی ساخت

کتاب اول: اردو غزل کا مطالعہ

کائی 1 : میر تقی میر اور مرزا غالب
اکائی 2 : مومن خان مومن اور داغ دہلوی
اکائی 3 : فراق گورکھپوری اور حسرت موہانی
اکائی 4 : جگر مرادآبادی اور ناصر کاظمی

کتاب دوم: اردو نظم کا مطالعہ

اکائی 1 : نظیر اکبرآبادی اور حالی
اکائی 2 : اقبال اور چکبست
اکائی 3 : اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی
اکائی 4 : فیض احمد فیض اور اختر الایمان

کتاب2: اردو نظم کا مطالعہ (AECL2051)

کتاب کا تعارف

یہ کتاب ''اردو نظم کا مطالعہ'' چار اکائیوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں اردو نظم کے ارتقا، اس کے فنی و فکری تنوع اور مختلف ادوار کے ممتاز شعرا کی نمائندہ نظموں کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس انتخاب میں ایسے شعرا کو شامل کیا گیا ہے جنھوں نے اردو نظم کو موضوع، اسلوب، زبان اور فکر کے اعتبار سے نئی جہتیں عطا کیں۔ کتاب کا بنیادی مقصد طلبہ کو اردو نظم کی روایت، اس کے اہم رجحانات اور منتخب نظموں کے فنی و معنوی حسن سے روشناس کرانا ہے۔

پہلی اکائی میں نظیر اکبر آبادی کی نظم ''برسات کی بہاریں'' اور الطاف حسین حالی کی نظم ''حب وطن'' شامل ہیں۔ اس اکائی میں ایک طرف نظیر اکبر آبادی کی عوامی شاعری، فطرت نگاری اور روزمرہ زندگی کی سادہ مگر دلکش تصویر کشی کا مطالعہ کرایا گیا ہے، تو دوسری طرف حالی کی قومی اور اصلاحی شاعری کے ذریعے حب الوطنی، اخلاقی شعور اور اجتماعی احساس کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس اکائی کے ذریعے طلبہ کو اردو نظم کے ابتدائی جدید رجحانات سے واقفیت حاصل ہوگی۔ دوسری اکائی میں علامہ محمد اقبال کی معروف نظم ''ایک آرزو'' اور پنڈت برج نارائن چکبست کی نظم ''خاک وطن'' شامل ہیں۔ اس اکائی میں وطن دوستی، قومی شعور، تہذیبی وابستگی اور بلند انسانی اقدار کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اقبال کی نظم میں وطن کی محبت اور زندگی کی سادگی کی آرزو جلوہ گر ہے، جبکہ چکبست نے وطن کی خاک سے جذباتی اور روحانی وابستگی کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

تیسری اکائی میں اختر شیرانی کی نظم ''او دیس سے آنے والے بتا'' اور جوش ملیح آبادی کی نظم ''لبیلی صبح'' شامل ہیں۔ اس اکائی میں اردو نظم کے رومانی اور انقلابی دونوں رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ اختر شیرانی کی نظم میں محبت، یادِ وطن اور جذباتی وارفتگی کی کیفیت ملتی ہے، جبکہ جوش ملیح آبادی کی نظم میں امید، حرکت، ولولہ اور زندگی کی تازہ توانائی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ چوتھی اکائی میں فیض احمد فیض کی شہرۂ آفاق نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ'' اور اختر الایمان کی فکر انگیز نظم ''ایک لڑکا'' شامل ہیں۔ اس اکائی میں جدید اردو نظم کے دو اہم رجحانات یعنی رومانیت سے سماجی شعور کی طرف سفر اور داخلی خود احتسابی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ فیض کی نظم میں ذاتی محبت سے بڑھ کر انسانی دکھ درد کو اہمیت دی گئی ہے، جبکہ اختر الایمان کی نظم میں ماضی کی یادوں، ضمیر کی آواز اور زندگی کے محاسبے کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر اکائی میں متعلقہ شاعر کا مختصر تعارف، ان کی ادبی خدمات، نظم نگاری کے امتیازات، منتخب نظم کا متن، تشریح و تعبیر، مجموعی تاثر اور پیغام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علمِ بیان، علمِ بدیع، علامات، استعارات، تشبیہات اور دیگر شعری محاسن کی وضاحت بھی آسان اور سادہ انداز میں کی گئی ہے تاکہ طلبہ نظم کے فنی اور جمالیاتی پہلوؤں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

طلبہ کی سہولت کے پیشِ نظر ہر اکائی میں خود اکتسابی سوالات، خالی جگہیں پر کرنے کی مشقیں، مختصر سوالات، تحریری سرگرمیاں اور اکائی کے آخر میں مشقی سوالات شامل کیے گئے ہیں۔ مشکل الفاظ کے معانی بھی درج کیے گئے ہیں تاکہ مطالعہ آسان اور مؤثر ہو سکے۔ آخر میں مزید مطالعے کے لیے اہم کتابوں کے نام دیے گئے ہیں تاکہ طلبہ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکیں۔ ا۔

اکائی 1 : نظیر اکبرآبادی اور حالی

ساخت

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 موضوع کی وضاحت

1.2.1 نظم 1 برسات کی بہاریں

1.2.2 نظیر اکبرآبادی کی نظم نگاری

1.2.3 منتخب نظم کی تشریح

1.2.4 نظم کا پیغام

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

1.2.5 نظم II حب وطن

1.2.6 حالی کی نظم نگاری

1.2.7 نظم کی تشریح

1.2.8 نظم کا پیغام

1.2.9 زبان کی مہارتیں

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

1.3 الفاظ اور معنی

1.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات I

خود اکتسابی سوالات کے جوابات II

1.5 خلاصہ

1.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں

کام کا تجربہ

1.6 مشقی سوالات

1.7 مزید مطالعے کے لیے کتب

1.0 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔

1.1 تمہید

اردو نظم کی روایت اور تاریخ کا ذکر کرتے وقت نظیر اکبر آبادی اور خواجہ الطاف حسین حالی کے نام خاص اہمیت کے ساتھ لیے جاتے ہیں۔ ان دونوں شاعروں نے اردو نظم کو نئے موضوعات، سادہ زبان اور حقیقت پسندانہ انداز سے مالا مال کیا اور اسے عام زندگی اور قومی شعور سے جوڑا۔ اسی پس منظر میں اس اکائی میں پہلے ان دونوں شاعروں کی شخصیت اور ادبی خدمات کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، جس کے بعد ان کی منتخب نظموں کا مطالعہ کیا جائے گا۔

نظیر اکبر آبادی کا اصل نام ولی محمد تھا۔ ان کے والد محمد فاروق عظیم آبادی کی سرکار میں ملازم تھے۔ نظیر کی ولادت دہلی میں ہوئی، مگر بعد میں وہ آگرہ (اکبر آباد) منتقل ہو گئے اور وہیں زندگی بسر کی۔ اس زمانے میں دہلی سیاسی انتشار اور حملوں کی وجہ سے بربادی کا شکار تھی، اسی لیے بہت سے لوگوں کی طرح نظیر نے بھی دہلی چھوڑ کر آگرہ کا رخ کیا جہاں ان کے نانا نواب سلطان خاں قلعدار رہتے تھے۔ آگرہ میں نظیر کا پیشہ بچوں کو پڑھانا تھا اور وہ ایک مکتب چلاتے تھے۔ وہ نہایت سادہ مزاج، قناعت پسند اور درباداری سے دور رہنے والے انسان تھے۔ مختلف شاہی درباروں کی طرف سے دعوت کے باوجود انہوں نے آگرہ چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ نظیر نے فارسی کا اچھا مطالعہ کیا اور مختلف زبانوں اور بولیوں سے واقف تھے جن کا اثر ان کی شاعری میں نمایاں ہے۔ انہوں نے زیادہ تر نظمیں لکھیں اور زندگی کے عام موضوعات، موسموں، تہواروں، انسانی جذبات اور روزمرہ کے حالات کو سادہ اور دلکش انداز میں بیان کیا۔ ان کی شاعری میں عوامی زندگی کی جھلک، سادگی اور خلوص نمایاں ہے۔ اسی وجہ سے انہیں اردو نظم کا ایک منفرد شاعر سمجھا جاتا ہے۔ ان کی نظم "برسات کی بہاریں" میں برسات کے موسم اور فطرت کی دلکشی کو نہایت خوبصورتی اور سادہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

خواجہ الطاف حسین حالی اردو کے اہم شاعر، نقاد اور مصلح ادیب تھے۔ ان کی پیدائش 1837ء میں پانی پت میں ہوئی۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا اور ان کی پرورش بڑے بھائی نے کی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم پانی پت میں حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ علم کی جستجو نے انہیں دہلی پہنچایا جہاں اس زمانے کے بڑے ادیب اور شاعر موجود تھے۔ وہاں انہیں مرزا غالب کی شاگردی کا موقع ملا جس سے ان کی ادبی صلاحیتوں کو جلا ملی۔ 1857ء کے ہنگاموں کے بعد انہیں دہلی چھوڑ کر واپس پانی پت جانا پڑا اور کچھ عرصہ تنگی کے حالات میں زندگی گزاری۔ بعد میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی سرپرستی حاصل ہوئی اور انہوں نے علمی و ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ حالی بعد میں پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے وابستہ ہوئے جہاں انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہونے والی کتابوں کی زبان کی اصلاح کا کام کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انجمن پنجاب کے قیام کے بعد موضوعاتی نظموں کو فروغ ملا اور حالی اس تحریک کے اہم شاعر بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے انجمن پنجاب کے مشاعروں میں کئی نظمیں پیش کیں جن میں 'حب وطن' بھی شامل ہے۔ حالی نے شاعری کے علاوہ تنقید اور سوانح نگاری میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی اہم تصانیف میں مدوجزر اسلام، یادگار غالب، حیات سعدی، حیات جاوید اور مقدمہ شعر و شاعری شامل ہیں۔ اردو ادب میں اصلاحی اور مقصدی شاعری کو فروغ دینے میں حالی کا کردار بہت اہم ہے۔ ان کی نظم 'حب وطن' وطن سے محبت اور قومی شعور کو اجاگر کرنے والی ایک اہم نظم ہے۔

اس اکائی میں ہم اردو نظم کے دو اہم شاعروں، نظیر اکبر آبادی اور خواجہ الطاف حسین حالی، کی نظموں اور ان کے ادبی مقام کا مطالعہ کریں گے۔ اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ نہ صرف ان شاعروں کی زندگی اور ان کی ادبی خدمات سے واقف ہوں بلکہ ان کی منتخب نظموں ''برسات کی بہاریں'' اور ''حبِ وطن'' کا تفصیلی مطالعہ بھی کر سکیں۔ یہاں ان نظموں میں موجود خیالات، جذبات، زبان، اسلوب اور فنی خوبیوں کو آسان اور واضح انداز میں سمجھانے کی کوشش کی جائے گی تاکہ طلبہ نظم کے مفہوم اور اس کے حسن کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس اکائی میں زبان کی بنیادی مہارتوں پر بھی توجہ دی جائے گی۔ طلبہ کو الفاظ کے درست استعمال، جملوں کی ساخت اور معنی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد دی جائے گی۔ آگے آنے والی اکائیوں میں قواعدِ زبان کے اہم نکات بھی شامل کیے جائیں گے

تا کہ طلبہ صحیح اور مؤثر انداز میں اردو پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔ مزید یہ کہ علمِ بیان اور علمِ بدیع کے چند آسان مفاہیم بھی بیان کیے جائیں گے، جیسے تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مبالغہ، صنعتِ تضاد اور صنعتِ تکرار وغیرہ، تا کہ طلبہ نظم کے حسنِ بیان اور فنی خوبیوں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

1.2 موضوع کی وضاحت

1.2.1 نظم I برسات کی بہاریں از نظیر اکبر آبادی (منتخب بند)

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا ڈونڈ رہے ہیں
مورو پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے امنڈ رہے ہیں
برسے ہے منہ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگاویں
جھینگر جھنگار اپنی سرنائیاں بجاویں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا منہ بلاویں

پی پی کریں پپیہے مینڈک ملاریں گاویں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے
قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے
بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی
اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بماہی
یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یا رب سامان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا
اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح و شام ہے گا
یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں ادھر کے کر شور ناچتے ہیں
پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے کر کر گھنگھور ناچتے ہیں
مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن بن

سو ہیں گلابی جوڑے پھولوں کے ہار ابرن
کتنوں کے گھر ہے کھانا سونا لگے ہے آنگن
کونے میں پڑ رہی ہیں سر منہ لپیٹ سوگن
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری
جو غم میں ہیں انہوں پر گزرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری
چھاتی پھٹے ہے ان کی جو ہیں برہ کی ماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی
رو رو انہوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی
اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کر کے پھیرا
مارو جی آج کیجیے یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کسی کو آ کر ہے درد و غم نے گھیرا
منہ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں
باہیں گلوں میں ڈالے جھولوں میں سو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سدھ اپنی کھو رہے ہیں
جھولے کی دیکھ صورت ہر آن رو رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے
پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے
سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ غریب کنگلے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

1.2.2 نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری

نظیر اکبر آبادی اردو ادب کے ایسے شاعر ہیں جنہوں نے نظم نگاری کو ایک نئی سمت عطا کی۔ جس زمانے میں اردو شاعری کا زیادہ تر مرکز غزل تھی اور شاعری کے موضوعات عشق و محبت، حسن و جمال اور درباری ماحول تک محدود تھے، اس زمانے میں نظیر نے شاعری کے لیے ایک الگ راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے عام زندگی، عوامی مسائل اور روزمرہ کے مناظر کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ اسی وجہ سے انہیں اردو کے پہلے بڑے عوامی شاعر اور نظم نگاری کے اہم بنیاد گزاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

نظیر کی نظم نگاری کی سب سے نمایاں خصوصیت عوامی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں عام انسانوں کی زندگی، ان کے دکھ سکھ، معاشی مسائل اور روزمرہ کے حالات کو پیش کیا۔ ان کی نظموں میں مفلس، مزدور، بنجارے، بچے، عورتیں اور عام لوگ سب نظر آتے ہیں۔ وہ درباری ماحول سے دور رہ کر عوام کے شاعر بنے۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری میں سچائی، خلوص اور حقیقت پسندی کا رنگ نمایاں ہے۔

نظیر کی نظموں میں ہندوستانی معاشرت اور تہذیب کی جھلک بھی نمایاں ملتی ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے موسموں، تہواروں، میلوں اور رسم و رواج کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ہولی، دیوالی، عید، شب برات، بسنت اور برسات جیسے موضوعات پر انہوں نے دلکش نظمیں لکھیں۔ ان کی نظموں میں ہندوستانی زندگی کی رنگارنگی اور ثقافتی ہم آہنگی صاف نظر آتی ہے۔ اس طرح ان کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب و تمدن کی ایک زندہ تصویر ملتی ہے۔

نظیر اکبر آبادی کی نظموں کی ایک اور اہم خصوصیت سادگی اور سلاستِ زبان ہے۔ انہوں نے مشکل اور ثقیل الفاظ کے بجائے عام بول چال کی زبان استعمال کی تاکہ عام لوگ بھی ان کی شاعری کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ ان کی زبان میں روانی، برجستگی، شوخی اور ظرافت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

نظیر کی شاعری میں تصویریت اور منظر نگاری بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ قدرتی مناظر اور روزمرہ زندگی کے حالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کے سامنے ایک مکمل منظر آ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نظم ''برسات کی بہاریں'' میں انہوں نے برسات کے موسم کے مناظر، جانوروں اور پرندوں کی آوازوں، سبزہ زاروں اور انسانی سرگرمیوں کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شاعر لفظوں سے ایک جیتی جاگتی تصویر بنا رہا ہو۔

نظیر کی نظموں میں اخلاقی، اصلاحی اور صوفیانہ مضامین بھی ملتے ہیں۔ انہوں نے انسان کو دنیا کی حقیقت اور زندگی کی ناپائیداری کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی مشہور نظم ''بنجارہ نامہ'' میں دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی حقیقت کو بڑی سادگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی نظموں میں انسان دوستی، اخلاقی تعلیم اور نصیحت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا دائرہ موضوعات کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔ انہوں نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو پر نظمیں لکھیں۔ ان کی نظموں میں روٹی نامہ، مفلسی، آدمی نامہ، بنجارہ نامہ، آٹے دال، برسات کی بہاریں وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔ ان موضوعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو بھی شاعری کا موضوع بنا لیتے تھے۔ یہی ان کی شاعری کی انفرادیت ہے۔

مختصر یہ کہ نظیر اکبر آبادی اردو نظم کے ایک منفرد اور اہم شاعر ہیں۔ انہوں نے شاعری کو دربار اور خواص کی حدود سے نکال کر عوام کی زندگی سے جوڑ دیا۔ سادہ زبان، حقیقت پسندانہ انداز، وسیع موضوعات اور انسانی ہمدردی کے جذبات نے ان کی نظموں کو ہمیشہ کے لیے زندہ اور مقبول بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج انہیں اردو نظم کی روایت میں ایک بلند اور منفرد مقام حاصل ہے۔

1.2.3 منتخبہ نظم کی تشریح

نظیر اکبر آبادی کی نظم 'برسات کی بہاریں' اردو کی ایک مشہور نظم ہے۔ نظم 'برسات کی بہاریں' دراصل مخمس کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ مخمس اس نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ لفظ مخمس عربی لفظ خمس سے نکلا ہے جس کے معنی پانچ ہیں۔ اس صنفِ نظم میں

شاعر اپنے خیال یا منظر کو پانچ مصرعوں کے ایک بند میں بیان کرتا ہے اور پوری نظم ایسے ہی بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مخمس کی قافیہ بندی کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔

مخمس کی پہلی صورت یہ ہے کہ پہلے بند کے پانچوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف یا صرف ہم ردیف ہوں، اور اس کے بعد آنے والے بندوں کے پہلے چار مصرعے آپس میں ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں جبکہ پانچواں مصرعہ پہلے بند کے مصرعوں کے ساتھ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اس طرح نظم کے ہر بند کا آخری مصرع ایک خاص ربط پیدا کرتا ہے۔

مخمس کی دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہر بند کے پہلے تین مصرعے آپس میں ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں یا صرف ہم قافیہ ہوں، جبکہ چوتھا اور پانچواں مصرعہ آپس میں ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں۔ اس انداز میں بھی شاعر اپنے خیالات کو پانچ مصرعوں کے بندوں میں پیش کرتا ہے۔ اس طرح مخمس اردو شاعری کی ایک اہم ہیئت ہے جس میں بند کی ترتیب اور قافیہ بندی کے ذریعے نظم میں خوبصورتی اور موسیقیت پیدا ہوتی ہے۔ 'برسات کی بہاریں' میں بھی شاعر نے برسات کے موسم کے دلکش مناظر اور فطرت کی رنگینی کو مخمس کے بندوں میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے، جس سے نظم کا حسن اور تاثیر بڑھ جاتی ہے۔

اس نظم میں شاعر نے برسات کے موسم کی خوبصورتی، اس کے مناظر اور اس موسم میں لوگوں کی مختلف حالتوں کو نہایت دلچسپ اور سادہ انداز میں بیان کیا ہے۔ نظیر کی خاص بات یہ ہے کہ وہ زندگی کے عام مناظر کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ اس نظم میں بھی برسات کے موسم کے ذریعے فطرت، انسانوں کی خوشی و غم اور سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔

نظم کے ابتدائی حصے میں شاعر برسات کے موسم کی دلکشی بیان کرتا ہے۔ بارش کی بوندیں گر رہی ہیں، باغات میں سبزہ لہلہا رہا ہے اور فضا خوشگوار ہوگئی ہے۔ بادل آسمان پر چھائے ہوئے ہیں اور ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ درخت، پودے اور باغ سب بھیگ کر تازہ اور سرسبز ہوگئے ہیں۔ شاعر بتاتا ہے کہ اس موسم میں مور، کوئل اور پپیہا خوشی سے آوازیں نکالتے ہیں۔ بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں۔ یہ سب مناظر قدرت کی شان اور حسن کو ظاہر کرتے ہیں۔ شاعر بار بار کہتا ہے کہ برسات کی بہاریں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔

نظم کے بعض حصوں میں شاعر قدرت کے ان حسین مناظر کو دیکھ کر خدا کی عظمت کو یاد کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ رنگ اور یہ منظر صرف خدا ہی پیدا کرسکتا ہے۔ پرندوں کی آوازیں بھی گویا خدا کی تعریف کر رہی ہیں۔ اس طرح شاعر فطرت کے حسن کو خدا کی قدرت کا اظہار قرار دیتا ہے۔

نظم کا ایک اہم حصہ انسانی زندگی سے متعلق ہے۔ شاعر دکھاتا ہے کہ برسات کے موسم میں ہر انسان کی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ اپنے محبوب کے ساتھ خوشی سے وقت گزار رہے ہیں۔ کچھ لوگ جھولے جھول رہے ہیں اور گیت گا رہے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے پیاروں سے مل کر خوش ہیں۔ لیکن اس کے برعکس کچھ لوگ اپنے پیاروں سے دور ہیں اور غم میں مبتلا ہیں۔ بعض عورتیں اپنے پردیسی شوہروں کو یاد کر کے روتی ہیں۔ کچھ لوگ غربت کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ اس طرح شاعر دکھاتا ہے کہ ایک ہی موسم کسی کے لیے خوشی کا باعث ہے اور کسی کے لیے غم کا۔

نظم میں شاعر معاشرتی فرق کو بھی بیان کرتا ہے۔ برسات کے موسم میں امیر لوگ اپنے گھروں اور بنگلوں میں آرام سے بیٹھ کر لطف اٹھاتے ہیں، جب کہ غریب لوگوں کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کسی کی چھت ٹپک رہی ہے، کسی کی دیوار گرنے والی ہے اور کسی کے پاس مناسب لباس بھی نہیں ہے۔ اس طرح شاعر معاشرے کی حقیقت کو بھی پیش کرتا ہے۔

نظیر نے اس نظم میں عام زندگی کے بہت سے دلچسپ مناظر بیان کیے ہیں، جیسے: کیچڑ میں لوگوں کا پھسلنا، مچھروں اور کیڑوں کا بڑھ جانا، لوگوں کا بارش میں بھیگنا، بچوں اور جوانوں کا کھیلنا اور جھولے جھولنا؛ یہ سب مناظر نظم کو بہت زندہ اور حقیقت کے قریب بنا دیتے ہیں۔

الغرض نظیر اکبرآبادی کی نظم 'برسات کی بہاریں' میں برسات کے موسم کے قدرتی مناظر، انسانی جذبات اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت سادہ، دلکش اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہی سادگی اور زندگی سے قربت نظیر کی شاعری کی سب سے

بڑی خصوصیت ہے۔

1.2.4 منتخبہ نظم کا پیغام

نظیر اکبرآبادی کی نظم 'برسات کی بہاریں' برسات کے موسم کی ایک جامع اور جیتی جاگتی تصویر پیش کرتی ہے۔ شاعر اس نظم میں صرف فطرت کی خوبصورتی بیان نہیں کرتا بلکہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بھی اس کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ بارش کے موسم میں بادلوں کا چھا جانا، بوندوں کا برسنا، درختوں اور پودوں کا سرسبز ہونا اور پرندوں کا چہچہانا فطرت کے حسین مناظر کو نمایاں کرتا ہے۔ ان مناظر کو دیکھ کر انسان کو قدرتِ الٰہی کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ شاعر بتاتا ہے کہ فطرت کا یہ حسن اللہ کی قدرت کا مظہر ہے اور ہر منظر اس کی قدرت کی گواہی دیتا ہے۔

اس نظم میں شاعر انسانی زندگی کی مختلف حالتوں کو بھی بیان کرتا ہے۔ برسات کا موسم بعض لوگوں کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث بنتا ہے۔ محبوبوں کا ملنا، جھولے جھولنا، گیت گانا اور خوشی کے لمحات گزارنا اس موسم کو مزید خوشگوار بنا دیتا ہے۔ لیکن اسی موسم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے پیاروں کی جدائی میں غمگین ہیں۔ پردیس میں گئے ہوئے عزیزوں کی یاد میں لوگ بے چین رہتے ہیں اور ان کے دل میں اداسی چھا جاتی ہے۔ اس طرح شاعر یہ دکھاتا ہے کہ ایک ہی موسم مختلف لوگوں کے لیے مختلف کیفیتیں پیدا کرتا ہے۔

نظم میں معاشرتی زندگی کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔ امیر لوگ برسات کے موسم کا لطف اپنے آرام دہ گھروں اور بنگلوں میں اٹھاتے ہیں، جب کہ غریب لوگوں کو بارش کی وجہ سے کئی مشکلات پیش آتی ہیں، جیسے ٹپکتی ہوئی چھتیں، کیچڑ، بیماری اور تنگی۔ اس طرح شاعر معاشرے میں پائے جانے والے فرق کو بھی سامنے لاتا ہے۔

نظیر اکبرآبادی کی اس نظم کا اصل پیغام یہ ہے کہ برسات کا موسم فطرت، انسان اور معاشرے کے مختلف رنگوں کو ایک ساتھ سامنے لے آتا ہے۔ اس موسم میں خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، آسائش بھی ہے اور محرومی بھی۔ شاعر بڑی سادگی کے ساتھ یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ زندگی میں طرح طرح کے حالات ہوتے ہیں، اور یہی تنوع زندگی کو معنی اور رنگ عطا کرتا ہے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

ایک جملے میں جواب دیجیے۔

1۔ نظم میں شاعر نے کس موسم کا ذکر کیا ہے؟

2۔ برسات کے موسم میں فطرت میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں؟

3۔ شاعر کے مطابق پرندے برسات کے موسم میں کیا کرتے ہیں؟

4۔ نظم میں امیر اور غریب کی حالت میں کیا فرق دکھایا گیا ہے؟

5۔ اس نظم میں شاعر نے قدرت کے بارے میں کیا خیال ظاہر کیا ہے؟

1.2.5 نظم II

حب وطن (ابتدائی 35 اشعار)

اے سپہر بریں کے سیارو
اے فضائے زمیں کے گل زارو
اے پہاڑوں کی دل فریب فضا
اے لب جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

اے عنادل کے نغمۂ سحری
اے شب ماہتاب تاروں بھری
اے نسیم بہار کے جھونکو
دہر ناپائیدار کے دھوکو
تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز
تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز
جب وطن میں ہمارا تھا رمنا
تم سے دل باغ باغ تھا اپنا
تم مری دل لگی کے ساماں تھے
تم مرے درد دل کے درماں تھے
تم سے کٹتا تھا رنج تنہائی
تم سے پاتا تھا دل شکیبائی
آن اک اک تمہاری بھاتی تھی
جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی
کرتے تھے جب تم اپنی غم خواری
دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری
جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے
ہو کے خوش حال گھر میں آتے تھے
بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لب آب
دھو کے اٹھتے تھے دل کے داغ شتاب
کوہ و صحرا و آسمان و زمیں
سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں
پر چھٹا جس سے اپنا ملک و دیار
جی ہوا تم سے خود بہ خود بیزار
نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے
نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے
سیر گلشن ہے جی کا اک جنجال
شب مہتاب جان کو ہے وبال
کوہ و صحرا سے تا لب دریا
جس طرف جائیں جی نہیں لگتا
کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں
تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں

ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
یا تمہارے بدل گئے کچھ طور
گو وہی ہم ہیں اور وہی دنیا
پر نہیں ہم کو لطف دنیا کا
اے وطن اے مرے بہشت بریں
کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں
رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا
وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا
تیری دوری ہے مورد آلام
تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام
کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے
گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے
مٹ گیا نقش کامرانی کا
تجھ سے تھا لطف زندگانی کا
جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا
ان کو کیا ہوگا زندگی کا مزا
ہو گیا یاں تو دو ہی دن میں یہ حال
تجھ بن ایک ایک پل ہے اک اک سال
سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے
میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار
یا کہ دنیا ہے تیری عاشق زار
کیا زمانے کو تو عزیز نہیں
اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں
جن و انسان کی حیات ہے تو
مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو
ہے نباتات کا نمو تجھ سے
روکھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے
سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما
سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا
تیری اک مشت خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

جان جب تک نہ ہو بدن سے جدا
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے ہوا

1.2.6 حالی کی نظم نگاری

خواجہ الطاف حسین اردو ادب کے اہم شاعر، نقاد اور مصلح تھے۔ کسی بھی شاعر کی تخلیقات کو سمجھنے کے لیے اس کے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ حالی کا زمانہ 1857 کی جنگِ آزادی کے بعد کا دور تھا جب ہندوستان کی تہذیبی اور سماجی قدریں تیزی سے بدل رہی تھیں۔ برطانوی حکومت مضبوط ہو چکی تھی اور مغربی تہذیب کا اثر مشرقی تہذیب پر بڑھ رہا تھا۔ اس صورتِ حال میں لوگوں کے اندر اپنی تہذیب کے زوال اور سماجی پستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا تھا۔ ایسے ماحول میں حالی نے ادب اور شاعری کو اصلاحِ قوم کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی۔

حالی سے پہلے اردو شاعری زیادہ تر غزل تک محدود تھی اور اس میں عشق و محبت، مبالغہ آرائی اور لفظی آرائش کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ حالی اس طرزِ شاعری سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ شاعری صرف تفریح یا ذہنی آسودگی کا وسیلہ نہ ہو بلکہ زندگی کی سچائیوں اور سماجی مسائل کی ترجمانی کرے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے نظم نگاری کو فروغ دیا اور اردو شاعری کے موضوعات کو وسیع بنایا۔

حالی کو اپنے استاد مرزا غالب سے طرزِ ادا کی ندرت، فکر کی گہرائی اور بیان کی خوبصورتی ملی، جبکہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ سے سادگی اور سلاستِ زبان کا اثر لیا۔ اس کے علاوہ سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک نے حالی کی فکر کو نئی سمت دی۔ انگریزی ادب کے مطالعے نے بھی ان کے ذہن کو وسعت دی اور انہیں یہ احساس ہوا کہ شاعری کے لیے صرف غزل ہی کافی نہیں بلکہ نظم کے ذریعے زندگی کے وسیع مسائل کو بہتر انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

حالی اردو کے پہلے ایسے شاعر ہیں جنہوں نے شاعری میں حقیقت پسندی، صداقت اور زندگی کے صحت مند پہلوؤں کو نمایاں کیا۔ اگرچہ ان سے پہلے نظیر اکبرآبادی نے بھی روایتی شاعری سے ہٹ کر عوامی زندگی کو موضوع بنایا تھا، لیکن حالی نے یہ کام شعوری طور پر اور ایک واضح مقصد کے تحت کیا۔ ان کی نظموں میں قوم کی اصلاح، اخلاقی اقدار، سماجی مسائل اور وطن پرستی کے جذبات نمایاں نظر آتے ہیں۔

حالی کی نظموں میں سادگی، سچائی اور دردمندی نمایاں ہے۔ ان کی اہم نظموں میں 'حب وطن'، 'برکھارت'، 'نشاطِ امید'، 'مناجاتِ بیوہ' اور 'چپ کی داد' شامل ہیں۔ ان نظموں میں انہوں نے ہندوستانی معاشرے کی حالت، اخلاقی اصلاح اور انسانی ہمدردی کے جذبات کو بیان کیا ہے۔ ان کی نظم 'چپ کی داد' میں عورت کی عظمت اور معاشرے میں اس کے اہم کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔

نظم کے میدان میں حالی کا سب سے بڑا کارنامہ 'مسدس مدّ و جزرِ اسلام' ہے جس نے اردو شاعری میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اس نظم میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ، اخلاقی کمزوریوں اور اصلاح کی ضرورت کو بڑی دردمندی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم کی زبان سادہ، اثر انگیز اور جذبات سے بھرپور ہے۔

مجموعی طور پر حالی کی نظم نگاری نے اردو شاعری کو نئی سمت دی۔ انہوں نے شاعری کو محض تخیل اور مبالغے سے نکال کر حقیقت، اصلاح اور قومی شعور سے جوڑا۔ ان کی شاعری میں عقل اور جذبات کا حسین توازن، زبان کی سادگی اور مقصدیت نمایاں ہے۔ اسی وجہ سے حالی کو جدید اردو نظم کا بانی اور اردو شاعری میں ایک انقلابی شاعر کہا جاتا ہے۔

1.2.7 منتخبہ نظم کی تشریح

الطاف حسین حالی کی نظم حبِّ وطن اردو ادب کی ایک اہم اصلاحی اور قومی نظم ہے۔ یہ نظم نہ صرف وطن سے محبت کے جذبات کو ظاہر کرتی ہے بلکہ انسان کو اپنی قوم اور معاشرے کے لیے ذمہ داری کا احساس بھی دلاتی ہے۔

حالی اردو ادب کے ممتاز شاعر، نقاد اور مصلح تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو بیدار کرنے اور اصلاحِ معاشرہ کا پیغام دیا۔ حبِّ وطن ان کی ایک طویل نظم ہے جس میں وطن کی محبت، قومی اتحاد، انسان دوستی اور سماجی ذمہ داری کا درس دیا گیا ہے۔

نظم کے آغاز میں شاعر آسمان، ستاروں، باغوں، پہاڑوں، ہوا اور پرندوں کے نغموں سے خطاب کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ سب چیزیں خوبصورت اور دلکش ہیں، لیکن جب وہ اپنے وطن میں تھا تو ان چیزوں کی خوبصورتی اور زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ اب چونکہ وہ وطن سے دور ہے اس لیے یہی مناظر پہلے جیسے دلکش نہیں لگتے۔ اس سے شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ وطن کی موجودگی انسان کی خوشی کا اصل سبب ہوتی ہے۔

شاعر بیان کرتا ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے دور ہو جاتا ہے تو زندگی کی خوشیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ باغ، دریا، پہاڑ اور چاندنی راتیں بھی خوشی نہیں دیتیں۔ وہ کہتا ہے کہ وطن کی جدائی انسان کو بے چین کر دیتی ہے اور ہر لمحہ اسے اپنے وطن کی یاد ستاتی ہے۔ اس طرح شاعر یہ پیغام دیتا ہے کہ وطن انسان کی زندگی کا اہم حصہ ہے۔

شاعر بتاتا ہے کہ وطن صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ جانوروں، پرندوں اور پودوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ ہر مخلوق اپنی جگہ اور ماحول سے محبت کرتی ہے۔ مثلاً مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اور پودا اپنی زمین سے دور ہو کر اچھی طرح نہیں بڑھ سکتا۔ اس مثال کے ذریعے شاعر سمجھاتا ہے کہ وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے۔

شاعر اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے تاریخ اور مذہب سے مثالیں دیتا ہے۔ جب رام کو بن باس ملا تو وہ وطن چھوڑ کر جنگل چلے گئے مگر دل ہمیشہ اپنے شہر ایودھیا کی طرف لگا رہا۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے صحابہ نے جب مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے دلوں میں اپنے وطن کی یاد باقی رہی۔ حضرت یوسف کو مصر میں بڑی حکومت ملی مگر انہیں اپنے وطن کنعان کی یاد آتی رہی۔ ان مثالوں سے شاعر ثابت کرتا ہے کہ وطن کی محبت ہر زمانے اور ہر قوم میں پائی جاتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ صرف اپنے شہر، گلی یا گھر سے محبت کرنا ہی حب وطن نہیں ہے۔ اصل حب وطن یہ ہے کہ انسان اپنی قوم کے دکھ درد کو سمجھے، ان کی مدد کرے اور ان کی خوشی میں خوش اور غم میں غمگین ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے وطن کے لوگوں کی تکلیفوں کو نظر انداز کرے تو اس کی وطن سے محبت ادھوری ہے۔

شاعر لوگوں کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ اپنے غریب اور محتاج ہم وطنوں کی مدد کریں۔ اگر کسی کے پاس دولت، علم یا طاقت ہے تو اسے اپنی قوم کی بھلائی کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بھوکوں کو کھانا دینا، بیماروں کی مدد کرنا اور غریبوں کا خیال رکھنا حقیقی حب وطن کی علامت ہے۔

نظم میں شاعر اس بات پر زور دیتا ہے کہ قوم کی ترقی کے لیے اتحاد بہت ضروری ہے۔ اگر لوگ آپس میں لڑتے رہیں گے تو دشمن ان پر آسانی سے قابو پا لے گا۔ شاعر بتاتا ہے کہ ہندوستان میں بھی جب لوگ آپس میں متحد نہ رہے تو غیر ملکی طاقتوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

نظم کے آخر میں شاعر نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ علم اور ہنر حاصل کریں۔ قوم کی عزت اور ترقی علم، مہارت اور محنت سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ صرف نسب یا خاندان کے فخر سے۔ اگر قوم علم اور اتحاد کو اپنائے گی تو وہ ترقی کرے گی۔

1.2.8 منتخبہ نظم کا پیغام

اس نظم کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ وطن سے محبت انسان کا فطری جذبہ ہے۔ لیکن سچی حب وطن صرف جذبات تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی قوم کی خدمت کرے، غریبوں کی مدد کرے، اتحاد کو فروغ دے اور علم و ہنر حاصل کر کے ملک کی ترقی میں حصہ لے۔ شاعر قوم کو غفلت سے بیدار کرنا چاہتا ہے اور انہیں یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ قوم کی عزت اور ترقی ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

1.2.9 زبان کی مہارتیں

نظیر اکبرآبادی کی نظم 'برسات کی بہاریں' اور حالی کی نظم 'حبِّ وطن' اردو شاعری کی اہم نظمیں ہیں۔ جب آپ ان نظموں کو سنیں یا پڑھیں گے تو محسوس کریں گے کہ ان میں نہ صرف معنی کی گہرائی ہے بلکہ زبان سیکھنے کے لیے بھی بہت عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ ان نظموں میں الفاظ کی روانی، جملوں کا بہاؤ اور خوبصورت تراکیب زبان کے طالب علموں کے لیے خاصی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

نظیر اکبر آبادی کی نظم 'برسات کی بہاریں' فطرت نگاری کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ اس نظم میں برسات کے موسم کی آوازیں، مناظر اور فضا کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا گویا بارش کی ٹھنڈی ہوا اور فطرت کی تازگی کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ نظم کے مصرعوں میں روانی اور آہنگ پایا جاتا ہے جس سے زبان کی موسیقیت واضح ہوتی ہے۔ اس نظم میں فطرت سے متعلق الفاظ کی کثرت ہے جو طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرتی ہے۔ مثال کے طور پر نسیمِ بہار، موجِ ہوا، گلشن، سبزہ زار جیسی تراکیب اردو زبان کی خوبصورتی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ایسی تراکیب کو بار بار پڑھنے اور سننے سے طلبہ کو الفاظ کے درست تلفظ اور استعمال کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

اسی طرح حالی کی نظم 'حبِّ وطن' بھی زبان اور بیان کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ اس نظم میں وطن کی محبت، قومی اتحاد اور سماجی ہمدردی کا پیغام دیا گیا ہے۔ نظم کی زبان سادہ، رواں اور اثر انگیز ہے، اس لیے طلبہ اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں بھی کئی خوبصورت اضافتی تراکیب استعمال ہوئی ہیں، جیسے حبِّ وطن، ماہِ لقا، نسیمِ بہار، داغِ جگر، دیارِ وطن وغیرہ۔ ان تراکیب کو دھیان سے پڑھنے سے طلبہ کو اضافت کے استعمال اور اس کی ساخت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ان نظموں کو پڑھتے اور سنتے وقت چند الفاظ کے درست تلفظ پر بھی خاص توجہ دینی چاہیے۔ مثال کے طور پر وطن، نسیم، عنادل، آلام، نقارہ، ملار، شکیبائی، کسبیاں، استغنا، سپہر، مورد جیسے الفاظ کو صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ جب طلبہ نظم کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور استاد کی قرأت کو غور سے سنتے ہیں تو ان کی زبان کی روانی، تلفظ کی درستگی اور اظہار کی صلاحیت بہتر ہوتی ہے۔

اس طرح ان نظموں کے مطالعے اور سماعت سے طلبہ نہ صرف شاعری کے معنی اور پیغام کو سمجھتے ہیں بلکہ اردو زبان کی موسیقیت، تراکیب، اضافت اور درست تلفظ سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نظموں کا مطالعہ زبان سیکھنے کے عمل کو زیادہ دلچسپ اور مؤثر بنا دیتا ہے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ نظم حبِّ وطن کے شاعر ---------- ہیں۔

2۔ شاعر کے مطابق حقیقی حبِّ وطن یہ ہے کہ انسان اپنی ---------- کی خدمت کرے۔

3۔ شاعر نے بتایا ہے کہ اگر قوم آپس میں ---------- کھودے تو دشمن غالب آ جاتے ہیں۔

4۔ نظم کے مطابق اپنے ہم وطنوں کے ---------- میں شریک ہونا بھی حبِّ وطن ہے۔

5۔ شاعر کے نزدیک وطن کی محبت ایک ---------- جذبہ ہے۔

1.3 الفاظ و معنی

الفاظ	معنی
لہلہاہٹ	سرسبزی کے ساتھ لہرانا
جھجھماوٹ	بارش کی بوندوں کا مسلسل برسنا
گھٹا	گہرے بادل
نقارہ	زور سے بجنے والا بڑا ڈھول
ملار	برسات کے موسم کا گیت
بچھونا	بستر
ابر	بادل

پکھیرو	پرندے
برہ	جدائی
وصل	ملاپ
مفلس	غریب
سایبان	چھت یا آڑ
اٹاری	مکان کا بالائی حصہ
دلدل	نرم اور کیچڑ والی زمین
زردار	امیر
کسبیاں	طوائفیں یا پیشہ ور عورتیں
عشرت	خوشی اور عیش
آشنا	دوست یا محبوب
سپہر	آسمان
عنادل	بلبلیں
نسیم	ہلکی خوشگوار ہوا
ناپائیدار	ہمیشہ نہ رہنے والا
شکیبائی	صبر
بیزار	دل برداشتہ
موردِ آلام	دکھوں کا سبب
نمو	بڑھوتری
غربت	پردیس/ وطن سے دوری
اتفاق	اتحاد
مفلوک	غریب اور محتاج
استغنا	بے پروائی
ہنر	مہارت

1.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات

I

1۔ نظم میں شاعر نے برسات کے موسم کا ذکر کیا ہے۔

2۔ برسات کے موسم میں درخت، پودے اور باغات سرسبز ہو جاتے ہیں اور ہر طرف پانی برسنے لگتا ہے۔

3۔ پرندے اس موسم میں خوشی سے آوازیں نکالتے اور چہچہاتے ہیں۔

4۔ امیر لوگ برسات کا لطف آرام سے اٹھاتے ہیں جبکہ غریب لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

5۔ شاعر کے مطابق برسات کے خوبصورت مناظر اللہ کی قدرت کا مظہر ہیں۔

II

1۔ الطاف حسین حالی

2۔ قوم

3۔ اتفاق

4۔ دکھ درد

5۔ فطری

1.5 خلاصہ

اس اکائی میں نظیر اکبرآبادی اور حالی کی نظموں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ان دونوں شاعروں نے اردو نظم کو نئی سمت دی اور شاعری کو زندگی کے حقیقی مسائل سے جوڑنے کی کوشش کی۔نظیر اکبرآبادی کو عوامی زندگی کا شاعر کہا جاتا ہے۔انہوں نے اپنی نظموں میں عام انسانوں کی زندگی، روزمرہ کے حالات، موسموں اور قدرتی مناظر کو موضوع بنایا۔ ان کی نظم 'برسات کی بہاریں' میں برسات کے موسم کی دلکش تصویریں اور فطرت کی رنگینی بڑی خوبصورتی سے پیش کی گئی ہیں۔

دوسری طرف حالی نے شاعری کو اصلاحی اور قومی شعور سے جوڑا۔ان کی نظم 'حبِّ وطن' میں وطن سے محبت، قوم کی خدمت، اتحاد اور سماجی ذمہ داری کا درس دیا گیا ہے۔حالی نے یہ واضح کیا کہ سچی حبِّ وطن صرف جذبات کا نام نہیں بلکہ اپنی قوم کے دکھ درد میں شریک ہونے اور اس کی ترقی کے لیے کوشش کرنے کا نام ہے۔

اس طرح اس اکائی کے مطالعے سے طلبہ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو نظم میں فطرت نگاری، عوامی زندگی، وطن پرستی اور اصلاحی فکر جیسے موضوعات کو اہمیت دی گئی ہے۔نظیر اور حالی دونوں نے اپنی نظموں کے ذریعے اردو شاعری کو زندگی کے قریب لانے اور معاشرے کی رہنمائی کرنے کی کوشش کی۔

1.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں:

درست تلفظ کی نشاندہی کیجیے

نیچے دیے گئے الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھیں اور لکھیں:

وطن

نسیم

عَنادِل

آلام

ناپائیدار

شکیبائی

اتفاق

غلط اور درست املا میں فرق کیجیے

درست صورت منتخب کریں:

(وطن/ وطس)

(نسیم/نصیم)

(اتفاق/اطفاق)

(دیار/ دیارر)

(شکیبائی/شکیبای)

اضافت کی مشق

درج ذیل تراکیب میں اضافت کی نشاندہی کیجیے:

حبِّ وطن

نسیمِ بہار

داغِ جگر

گلزارِ وطن

دیارِ وطن

اضافت لگا کر درست ترکیب بنائیے:

حب+ وطن

نسیم+ بہار

داغ+جگر

گلزار+ وطن

دیار+ وطن

شعری زبان کی مشق

درج ذیل مصرعوں میں خوبصورت تراکیب تلاش کیجیے:

اے سپہر بریں کے سیارو
اے فضائے زمیں کے گل زارو
تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز
تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

درج ذیل مصرعوں کو سادہ نثر میں لکھیے:

اے وطن اے مرے بہشت بریں
تیری دوری ہے موردِ آلام
گلشن کی سیر اب جی کا اک جنجال ہے
تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی

کام کا تجربہ

اردو سے انگریزی میں ترجمہ کیجیے:

1۔ ہمیں اپنے وطن سے بے حد محبت کرنی چاہیے۔
2۔ وطن کی خدمت ہر شہری کا فرض ہے۔
3۔ وطن کی مٹی ہمیں بہت عزیز ہوتی ہے۔
4۔ بہار کے موسم میں باغ بہت خوبصورت لگتے ہیں۔
5۔ پھولوں کی خوشبو فضا کو معطر کر دیتی ہے۔
6۔ انسان کو مشکل حالات میں صبر اور شکیبائی سے کام لینا چاہیے۔
7۔ جو قوم اپنے وطن سے محبت کرتی ہے وہ ترقی کرتی ہے۔
8۔ بارش کے بعد ہر طرف ہریالی پھیل جاتی ہے۔
9۔ وطن کی یاد انسان کے دل میں خوشی اور محبت پیدا کرتی ہے۔
10۔ ہمیں اپنے ملک کی عزت اور وقار کا خیال رکھنا چاہیے۔

1.7 مشقی سوالات

1۔ نظیر اکبر آبادی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
2۔ اکائی میں شامل نظیر کی نظم کی تشریح کیجیے۔
3۔ حالؔی کا تعارف پیش کیجیے۔
4۔ اکائی میں شامل حالی کی نظم کا تعارف پیش کیجیے۔

1.8 مزید مطالعے کے لیے کتب

1 کلیات نظیر، نظیر اکبر آبادی
2 نظیر اکبر آبادی ان کا عہد اور شاعری، ابواللیث صدیقی
3 کلیات نظم حالی (حصّہ اول و دوم)، الطاف حسین حالی
4 جدید اردو نظم۔ نظریہ اور عمل، عقیل احمد صدیقی
5 اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی
6 اردو نظم: فن، ارتقائی تسلسل اور منتخب تجزیے، راشد انور راشد

اکائی 2 : اقبال اور چکبست کی نظمیں

ساخت

2.0 مقاصد

2.1 تمہید

2.2 موضوع کی وضاحت

2.2.1 نظم 1 ایک آرزو

2.2.2 اقبال کی نظم نگاری

2.2.3 منتخب نظم کی تشریح

2.2.4 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

2.2.5 نظم II خاک ہند

2.2.6 چکبست کی نظم نگاری

2.2.7 نظم کی تشریح

2.2.8 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

2.2.9 علم بیان

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

2.3 الفاظ اور معنی

2.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات I

خود اکتسابی سوالات کے جوابات II

2.5 خلاصہ

2.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں

کام کا تجربہ

2.6 مشقی سوالات

2.7 مزید مطالعے کے لیے کتب

2.0 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔

1۔ علامہ محمد اقبال اور برج نرائن چکبست کی شخصیت اور ادبی خدمات سے واقف ہو سکیں گے۔

2۔ اقبال کی نظم ''ایک آرزو'' اور چکبست کی نظم ''خاکِ ہند'' کے متن، مفہوم اور پس منظر کو سمجھ سکیں گے۔

3۔ اقبال اور چکبست کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات اور فکری جہات کا ادراک حاصل کریں گے۔

4۔ نظموں کی تشریح، مرکزی خیال اور مجموعی پیغام کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

5۔اس اکائی کے مطالعے سے طلبہ علمِ بیان (تشبیہ، استعارہ، تجسیم وغیرہ) کے استعمال کو پہچان کر ادبی متن کی بہتر تفہیم حاصل کر سکیں گے۔

2.1 تمہید

علامہ محمد اقبال برصغیر کے عظیم مفکر، شاعر اور فلسفی تھے جنہوں نے اردو اور فارسی شاعری کے ذریعے ایک ہمہ گیر فکری و روحانی انقلاب برپا کیا۔ان کا اصل نام شیخ محمد اقبال تھا اور وہ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ان کے اجداد کشمیری برہمن تھے جو اسلام قبول کر کے سیالکوٹ میں آباد ہوئے۔ان کے والد شیخ نور محمد ایک نہایت سادہ، دیندار اور روحانی مزاج کے حامل انسان تھے۔اقبال کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی اور بعد ازاں انہوں نے ہر امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کرتے ہوئے تعلیمی میدان میں اپنی غیر معمولی ذہانت کا لوہا منوایا۔اعلیٰ تعلیم کے لیے اقبال نے اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ سے ایف اے کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا جہاں ان کی ملاقات نامور مستشرق اور استاد تھامس واکر آرنلڈ سے ہوئی۔یہی تعلق اقبال کی فکری تربیت میں نہایت اہم ثابت ہوا۔انہوں نے 1899ء میں فلسفہ میں ایم اے کیا اور اسی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔مزید تعلیم کے شوق نے انہیں 1905ء میں انگلستان پہنچایا جہاں انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ان کا تحقیقی مقالہ ''ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء'' ان کی علمی گہرائی کا مظہر ہے۔

اقبال نے کم عمری ہی میں شاعری کا آغاز کر دیا تھا۔1890ء کے ایک مشاعرے میں ان کا شعر سن کر اہلِ علم حیران رہ گئے۔بعد ازاں وہ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرنے لگے اور ان کی نظم ''نالۂ یتیم'' نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔ادبی رسالہ ''مخزن'' میں شائع ہونے والی نظم ''ہمالہ'' نے انہیں برصغیر کے صفِ اوّل کے شاعروں میں شامل کر دیا۔ان کی شاعری میں ابتدا ہی سے ایک خاص سوز، گہرائی اور فکری پختگی نمایاں تھی جو وقت کے ساتھ مزید نکھرتی گئی۔

یورپ سے واپسی کے بعد اقبال نے تدریس کے ساتھ ساتھ وکالت بھی کی، لیکن جلد ہی انہوں نے وکالت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔کچھ عرصہ خاموشی کے بعد ان کی شاعری میں ایک نیا موڑ آیا اور انہوں نے قومی و ملی موضوعات پر ایسی نظمیں تخلیق کیں جو ان کی دائمی شہرت کا سبب بنیں۔ان کی معروف تصانیف میں ''اسرار خودی''، ''رموز بیخودی''، ''شکوہ''، ''طلوع اسلام'' اور ''خضر راہ'' شامل ہیں۔ان کا آخری مجموعہ ''ارمغان حجاز'' ان کی وفات کے بعد شائع ہوا، جو ان کے فکری ارتقاء کی آخری جھلک پیش کرتا ہے۔ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں پنجاب یونیورسٹی اور علی گڑھ یونیورسٹی نے انہیں اعزازی ڈگریاں عطا کیں۔

زندگی کے آخری ایام میں اقبال مختلف بیماریوں کا شکار رہے۔21 اپریل 1938ء کو وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن اپنے پیچھے ایک عظیم فکری و ادبی سرمایہ چھوڑ گئے۔

اقبال کی شاعری کا بنیادی مقصد مسلمانوں اور خصوصاً مشرقی اقوام میں بیداری پیدا کرنا تھا۔انہوں نے عشق، عقل، مذہب اور زندگی کو ایک نئے زاویے سے پیش کیا اور خودی کا فلسفہ دیا جو انسان کو اپنی صلاحیتوں کو پہچاننے اور بلند مقاصد کے حصول کی ترغیب دیتا ہے۔ان کے کلام میں فلسفہ اور جذبات کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، جس نے اردو شاعری کو ایک نئی جہت عطا کی۔انہوں نے مایوسی کے بجائے امید، حرکت اور خود اعتمادی کا پیغام دیا اور اردو ادب کو فکری اور لسانی اعتبار سے بے حد وسعت بخشی۔

برج نرائن چکبست اردو ادب کے ممتاز شاعر، نثر نگار اور قومی شعور کے علمبردار تھے۔وہ 19 جنوری 1882ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ان کے والد پنڈت اودے نرائن چکبست ڈپٹی کلکٹر تھے اور خود بھی شاعر تھے، جو ''یقین'' تخلص کرتے تھے۔بدقسمتی سے جب چکبست کی عمر صرف پانچ برس تھی تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا، جس کے باعث ان کی ابتدائی زندگی مشکلات اور محرومیوں میں گزری، لیکن اسی ماحول نے ان کے اندر سنجیدگی اور فکری پختگی پیدا کی۔

چکبست نے اپنی ابتدائی تعلیم کاظمین اسکول لکھنؤ میں حاصل کی اور بعدازاں گورنمنٹ جوبلی ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ 1900ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد وہ کیننگ کالج لکھنؤ میں داخل ہوئے، جہاں سے انہوں نے 1902ء میں ایف اے، 1905ء میں بی اے اور 1907ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد انہوں نے وکالت کو اپنا پیشہ بنایا اور عملی زندگی میں بھی کامیابی حاصل کی۔ تعلیم کے دوران ہی انہوں نے انگریزی ادب اور فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا، جس کا اثر ان کی شاعری اور نثر میں نمایاں نظر آتا ہے۔

چکبست نے بہت کم عمری میں شاعری شروع کر دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف نو برس کی عمر میں پہلا شعر کہا۔ وہ آزاد خیال اور ترقی پسند ذہن کے مالک تھے اور شعرا کی محفلوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ اپنی غیر معمولی ذہانت اور قوتِ حافظہ کی بدولت وہ جلد ہی اردو کے صفِ اوّل کے شعرا میں شمار ہونے لگے۔ جدید اردو شاعری میں ان کا نام علامہ محمد اقبال اور حسرت موہانی کے ساتھ لیا جاتا ہے، جو ان کے بلند ادبی مقام کا ثبوت ہے۔

ذاتی زندگی میں چکبست کو کئی صدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی پہلی شادی 1906ء میں ہوئی لیکن ان کی اہلیہ بچے کی پیدائش کے وقت وفات پا گئیں اور بچہ بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا۔ 1907ء میں انہوں نے دوسری شادی کی، جس سے کئی بچے پیدا ہوئے مگر صرف ایک بیٹی مہاراج دلاری حیات رہیں۔ ان ذاتی سانحات نے ان کی شخصیت میں گہرائی اور حساسیت کو مزید بڑھا دیا، جس کا عکس ان کے کلام میں بھی ملتا ہے۔

چکبست کی ادبی خدمات نہایت اہم ہیں۔ ان کی زندگی میں دو کتابیں شائع ہوئیں: ''صبح وطن'' (شاعری) اور ''مضامین چکبست''۔ اس کے علاوہ انہوں نے ''ستارۂ صبح'' کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ ان کی وفات کے بعد کالی داس گپتا رضا نے ان کے کلام کو مرتب کر کے ''کلیات چکبست''، ''مقالات چکبست'' اور دیگر مجموعے شائع کیے۔ ان کے فن اور شخصیت پر متعدد ناقدین جیسے احتشام حسین، آل احمد سرور اور دیگر اہلِ علم نے تفصیلی کام کیا ہے۔

چکبست کی زندگی مختصر مگر نہایت بامعنی تھی۔ وہ صرف 44 برس کی عمر تک زندہ رہے۔ ایک مقدمے کے سلسلے میں بریلی جاتے ہوئے واپسی پر انہیں ریل میں فالج کا حملہ ہوا اور 12 فروری 1926ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اپنی مختصر زندگی کے باوجود انہوں نے اردو ادب میں ایک ایسا مقام حاصل کیا جو بڑے بڑے شعرا کے حصے میں آتا ہے۔

چکبست کی شاعری میں وطنیت، انسان دوستی اور اخلاقی اقدار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں حب الوطنی کے جذبات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا اور اردو شاعری کو ایک نئی فکری سمت عطا کی۔ ان کا اسلوب سادہ، پراثر اور دلنشین ہے، جس میں جذبات کی سچائی اور فکر کی گہرائی نمایاں ہے۔ یہی خصوصیات انہیں اردو ادب کے عظیم شاعروں کی صف میں ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔

2.2 موضوع کی وضاحت

2.2.1 نظم I ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو
مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو
ہو ہاتھ کا سرہانا سبزے کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو
مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کوہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو
بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے

رونا مرا وضو ہو نالہ مری دعا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو
ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

2.2.2 اقبال کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات

اقبال کی نظم نگاری کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا مقصدی اور پیامی ہونا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے نظم کو محض جذبات کے اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک فکری اور اصلاحی ذریعہ بنایا۔ ان کی نظموں میں قوم کی بیداری، خودی کا شعور، دینی و اخلاقی اقدار اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کا واضح پیغام ملتا ہے۔ دوسری اہم خصوصیت فکری گہرائی اور فلسفیانہ رنگ ہے۔ اقبال کی نظموں میں محض سطحی جذبات نہیں بلکہ گہری سوچ اور حکمت کارفرما ہے۔ وہ عشق، عقل، خودی، تقدیر اور کائنات جیسے موضوعات کو نہایت بلند فکری سطح پر پیش کرتے ہیں، جس سے ان کی نظم عام شاعری سے بلند ہو جاتی ہے۔

اقبال کی نظموں میں موضوع کا تسلسل اور ربط بھی نمایاں ہے۔ غزل کے برعکس ان کی نظم ایک مرکزی خیال کے گرد گھومتی ہے اور اس میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر جست اور پرواز بھی ملتی ہے، لیکن مجموعی طور پر نظم ایک مربوط فکری اکائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایک اور اہم وصف ہیئتی تنوع اور فنی آزادی ہے۔ اقبال نے مسدس، ترکیب بند، مثنوی اور دیگر ہیئتوں کو برتا اور ان میں جدت پیدا کی۔ انہوں نے بندوں کی ساخت اور اشعار کی تعداد میں بھی لچک دکھائی، جس سے ان کی فنی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس طرح انہوں نے اردو نظم کو وسعت اور تنوع عطا کیا۔

اقبال کی نظموں میں خطیبانہ اور ڈرامائی انداز بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا لہجہ اکثر پرجوش اور ولولہ انگیز ہوتا ہے، جو قاری کو متحرک کرتا ہے۔ بعض نظموں میں مکالماتی اور ڈرامائی اسلوب (جیسے جبریل و ابلیس) بھی ملتا ہے، جو ان کی شاعری کو زیادہ مؤثر بناتا ہے۔ اقبال کی نظم نگاری کی ایک بڑی خصوصیت علامت، تمثیل اور تصویریت کا استعمال ہے۔ وہ استعاروں اور علامتوں کے ذریعے اپنے خیالات کو گہرائی اور وسعت دیتے ہیں۔ ان کی نظمیں وقتی حالات سے پیدا ہو کر بھی آفاقی معنویت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی خصوصیات اقبال کو اردو نظم کا سب سے بڑا شاعر بناتی ہیں اور ان کی نظم کو فکری و فنی اعتبار سے ایک بلند مقام عطا کرتی ہیں۔۔

2.2.3 منتخبہ نظم کی تشریح

علامہ محمد اقبال کی نظم ''ایک آرزو'' ان کی ابتدائی دور کی شاعری کا نہایت اہم نمونہ ہے۔ یہ نظم ان کے پہلے شعری مجموعے بانگِ درا میں شامل ہے، جو اقبال کے فکری ارتقاء کے ابتدائی مرحلے کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ نظم تقریباً 1902ء کے زمانے میں کہی گئی اور اسی سال ادبی رسالہ 'مخزن' میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں جب اقبال نے اپنی شاعری پر نظرِ ثانی کی تو اس نظم کے اشعار میں ترمیم کیا، چنانچہ ابتدائی شکل میں یہ نظم زیادہ اشعار پر مشتمل تھی، لیکن بعد میں اسے مختصر کر کے موجودہ صورت دی گئی۔

اب آیئے اس نظم کے اشعار کو سمجھتے ہیں۔ نظم کا متن آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں اس لیے ان اشعار کو یہاں دوبارہ درج نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ سلسلہ وار طریقے سے نظم کے اشعار سے برآمد ہونے والے مطالب بیان کیے جا رہے ہیں۔

نظم کے آغاز میں شاعر دنیا کی ہنگامہ خیز محفلوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب دل ہی بجھ جائے تو محفلوں کا لطف باقی نہیں رہتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقی خوشی بیرونی نہیں بلکہ دل کی کیفیت پر منحصر ہوتی ہے۔

اگلے اشعار میں شاعر شور وغوغا سے فرار چاہتا ہے اور ایسی خاموشی کا طلبگار ہے جو خود بولتی ہوئی محسوس ہو۔ یہ سکوت دراصل باطنی سکون اور روحانی سکوت کی علامت ہے، جہاں انسان اپنی اصل ذات سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔

شاعر اپنی خواہش بیان کرتا ہے کہ وہ پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں زندگی بسر کرے۔ یہ دراصل سادگی، فطرت سے قربت اور دنیاوی الجھنوں سے دوری کی تمنا ہے، جو ایک مفکرانہ ذہن کی علامت ہے۔

اس کے بعد وہ عزلت کی زندگی کو پسند کرتا ہے جہاں وہ آزاد فکر کے ساتھ زندگی گزار سکے اور دنیا کے غموں سے نجات حاصل کرے۔ یہاں درویشی اور بے نیازی کا تصور نمایاں ہے۔

فطرت کے مناظر کا بیان کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ اسے چڑیوں کی چہچہاہٹ میں موسیقی کی لذت محسوس ہو اور چشموں کے بہاؤ میں ساز کی آواز سنائی دے۔ یہ فطرت کو ایک جیتے جاگتے اور مترنم وجود کے طور پر دیکھنے کا انداز ہے۔

پھول کی کلی کے چٹکنے کو شاعر ایک پیغام قرار دیتا ہے اور اسے ایسا ساغر سمجھتا ہے جو پورے جہاں کو دکھا دے۔ اس میں وحدت الوجود کا تصور جھلکتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں حقیقت کا جلوہ موجود ہے۔

شاعر ایک نہایت سادہ زندگی کا تصور پیش کرتا ہے جہاں ہاتھ سرہانہ ہو اور سبزہ بستر۔ وہ ایسی خلوت چاہتا ہے جو جلوت (محفل) پر بھی سبقت لے جائے، یعنی تنہائی میں بھی ایک خاص حسن اور لطف ہو۔

وہ چاہتا ہے کہ فطرت کے پرندے، خصوصاً بلبل، اس سے مانوس ہو جائیں اور اس سے خوف محسوس نہ کریں۔ اس سے انسان اور فطرت کے درمیان ہم آہنگی کا تصور ابھرتا ہے۔

قدرتی مناظر کی تصویر کشی میں شاعر ایک دلکش وادی کا نقشہ کھینچتا ہے جہاں ہرے بھرے پودے، شفاف پانی اور خوبصورت پہاڑ ہوں۔ یہاں حسنِ تعلیل اور تصویریت کا بہترین نمونہ ملتا ہے۔

پھولوں کی ٹہنی کا پانی میں جھکنا شاعر کو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی حسین آئینہ دیکھ رہا ہو۔ اس طرح وہ فطرت کو انسانی صفات دے کر اس کی خوبصورتی کو بڑھاتا ہے۔

شام کے وقت سورج کو دلہن کو مہندی لگانے سے تشبیہ دی گئی ہے، جس سے منظر میں رومانوی حسن پیدا ہوتا ہے۔ یہ فطرت کی خوبصورتی کو شاعرانہ انداز میں پیش کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

شاعر اپنی جھونپڑی کو مسافروں کے لیے امید کی جگہ بنانا چاہتا ہے، جہاں وہ آرام حاصل کر سکیں۔ یہاں خدمتِ خلق کا جذبہ نمایاں ہے۔

وہ چاہتا ہے کہ اندھیری رات میں بجلی کی چمک اس کی کٹیا کو ظاہر کرے تاکہ بھٹکے ہوئے لوگ اس تک پہنچ سکیں۔ اس میں انسان دوستی اور رہنمائی کا پہلو موجود ہے۔

کوئل کی آواز کو اذان سے تشبیہ دے کر شاعر روحانیت اور فطرت کے حسن کو یکجا کرتا ہے۔ وہ خود کو اس کے ساتھ ہم نوا دیکھتا ہے، یعنی فطرت کے ساتھ مکمل ہم آہنگی۔

شاعر مذہبی ظاہریت سے دور ہو کر براہ راست فطرت کے ذریعے خدا کو پہچاننا چاہتا ہے۔ اس کے لیے جھونپڑی کا روزن ہی صبح کا پیغام دینے کے لیے کافی ہے۔

شبنم کے قطروں کو پھولوں کے وضو سے تعبیر کرتے ہوئے شاعر اپنے آنسوؤں کو وضو اور نالے کو دعا قرار دیتا ہے۔ یہ روحانی اضطراب اور خدا سے تعلق کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔

وہ چاہتا ہے کہ اس کی فریاد اتنی بلند ہو کہ ستاروں تک پہنچ جائے۔ یہ اس کے جذبات کی شدت اور اثر انگیزی کو ظاہر کرتا ہے۔

نظم کے آخری اشعار میں شاعر کہتا ہے کہ اس کا رونا دوسروں کو بھی رلا دے اور غافل لوگوں کو جگا دے۔ یہاں اس کی آرزو صرف اپنی نجات نہیں بلکہ دوسروں کی بیداری بھی ہے۔

2.2.4 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

'ایک آرزو' اقبال کی اس شاعری کا حصہ ہے جو ان کے ابتدائی، نسبتاً رومانوی اور فطرت نگار دور سے تعلق رکھتی ہے۔ اس زمانے میں اقبال مغربی شاعری سے بھی متاثر تھے اور فطرت کے مناظر، تنہائی، داخلی کیفیت اور روحانی سکون کی تلاش ان کے موضوعات میں نمایاں تھی۔
اس نظم میں ابھی ان کا مکمل فلسفۂ خودی یا قومی وملّی پیغام پوری طرح سامنے نہیں آیا، مگر اس کے آثار واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔
یہ نظم اپنی سادگی، فطرت نگاری، جذباتی سچائی اور داخلی اضطراب کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں اقبال کی وہ ذہنی کیفیت جھلکتی ہے جب وہ دنیاوی ہنگاموں سے بیزار ہو کر سکون، خاموشی اور فطرت کی آغوش میں پناہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، تاہم ساتھ ہی انسانیت کی خدمت اور بیداری کا جذبہ بھی پس منظر میں موجود رہتا ہے۔
اس نظم کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان کو دنیا کی ظاہری چمک دمک اور ہنگاموں سے ہٹ کر اپنی باطنی دنیا کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ حقیقی سکون اور خوشی فطرت کی سادگی، خاموشی اور تنہائی میں پوشیدہ ہے۔ اقبال یہاں ایک ایسے ماحول کی خواہش کرتے ہیں جہاں انسان خود کو پہچان سکے اور اپنی روحانی پیاس بجھا سکے۔
دوسری طرف نظم کا ایک اہم پہلو انسان دوستی اور بیداری ہے۔ اگرچہ شاعر عزلت کی خواہش رکھتا ہے، لیکن وہ دوسروں کے لیے روشنی اور امید بننا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی آواز سوئے ہوئے انسانوں کو جگائے۔ اس طرح یہ نظم صرف فرار کی نہیں بلکہ شعور، بیداری اور انسانیت کی خدمت کا پیغام بھی دیتی ہے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

ایک جملے میں جواب دیجیے۔

1۔ علامہ محمد اقبال کہاں پیدا ہوئے؟
2۔ اقبال کی شاعری کا بنیادی مقصد کیا تھا؟
3۔ برج نرائن چکبست کہاں پیدا ہوئے؟
4۔ چکبست نے وکالت کا امتحان کس سال پاس کیا؟
5۔ چکبست کی شاعری کا مرکزی موضوع کیا ہے؟

2.2.5 منتخب نظم II خاک ہند

اے خاک ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے
دریائے فیض قدرت تیرے لیے رواں ہے
تیرے جبیں سے نور حسن ازل عیاں ہے
اللہ رے زیب و زینت کیا اوج عز و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی
اس خاک دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری

چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغ عالم تھی سر زمیں ہماری
شمع ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہر دانش اس وادی کہن میں
گوتم نے آبرو دی اس معبد کہن کو
سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو
سب سوربیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا ان کی ہڈیاں ہیں
دیوار و در سے اب تک ان کا اثر عیاں ہے
اپنی رگوں میں اب تک ان کا لہو رواں ہے
اب تک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے
فردوس گوش اب تک کیفیت اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک
شوکت سے بہہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک
اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں
کرتے ہیں رقص اب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں
پستی سی آ گئی ہے پر دل کے حوصلوں میں
گل شمع انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حب وطن وہی ہے خاک وطن وہی ہے
برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا
دنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خواب گراں ہمارا
اک لاش بے کفن ہے ہندوستان ہمارا
علم و کمال و ایماں برباد ہو رہے ہیں
عیش و طرب کے بندے غفلت میں سو رہے ہیں

اے صور حب قومی اس خواب سے جگا دے
بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے
اٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے
حب وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر
شیدائے بوستاں کو سرو و سمن مبارک
رنگیں طبیعتوں کو رنگ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک
ہم بے کسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک
غنچے ہمارے دل کے اس باغ میں کھلیں گے
اس خاک سے اٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے
ہے جوئے شیر ہم کو نور سحر وطن کا
آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے رشک مہر ذرہ اس منزل کہن کا
تلتا ہے برگ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا
گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاک وطن کفن کو

2.2.6 چکبست کی نظموں کی بنیادی خصوصیات

پنڈت برج نرائن چکبست اردو شاعری کے ان ممتاز شعرا میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں قومی شعور، انسانی ہمدردی اور تہذیبی ہم آہنگی کو اپنی نظموں کا مرکزی موضوع بنایا۔ برج نرائن چکبست کی نظم نگاری اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ وہ محض شاعر نہیں بلکہ ایک باشعور مفکر بھی تھے جنھوں نے شاعری کو قومی بیداری کا ذریعہ بنایا۔ ان کی نظموں میں فنی سلاست کے ساتھ ساتھ مقصدیت اور اخلاقی پیغام نمایاں طور پر موجود ہے۔

چکبست کی نظموں کی سب سے نمایاں خصوصیت حب الوطنی اور قومی شعور ہے۔ چکبست کی شاعری کا آغاز ہی قومی جذبات سے ہوتا ہے۔ انہوں نے غلام ہندوستان کے حالات کو محسوس کیا اور اپنی نظموں کے ذریعے قوم میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی نظم 'خاکِ ہند' اس کا بہترین نمونہ ہے، جس میں انہوں نے ہندوستان کی عظمت، تاریخی شان اور تہذیبی ورثے کو بڑے والہانہ انداز میں پیش کیا۔ ان کے یہاں وطن محض جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ ایک روحانی اور جذباتی وابستگی کا مرکز ہے۔

چکبست کی نظم نگاری کی دوسری اہم خصوصیت قومی یک جہتی اور گنگا جمنی تہذیب کا شعور ہے۔ اردو زبان کی طرح ان کی شاعری بھی مختلف تہذیبوں کے حسین امتزاج کی نمائندہ ہے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست علمبردار تھے اور مذہبی تفریق کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔

تیسری خصوصیت انسان دوستی اور وسیع المشربی ہے۔ چکبست کا وژن محدود قومی دائرے تک نہیں بلکہ پوری انسانیت تک پھیلا ہوا ہے۔

ان کے نزدیک دنیا ایک گھر ہے اور تمام انسان اس کے فرد ہیں۔ وہ رنگ، نسل، مذہب اور زبان کی بنیاد پر تفریق کے قائل نہیں۔ ان کی شاعری میں اخوت، مساوات اور محبت کا درس ملتا ہے۔ چکبست کی نظموں میں اخلاقی اور تعلیمی مقصدیت بھی نمایاں ہے۔ انہوں نے شاعری کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے اصلاحِ معاشرہ کے لیے استعمال کیا۔ ان کے مرثیے، قومی نظمیں اور خطیبانہ انداز اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ نئی نسل میں اخلاقی قدریں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کی شاعری میں سادگی، اخلاص اور خلوصِ جذبہ پایا جاتا ہے جو قاری کے دل پر براہِ راست اثر کرتا ہے۔

چکبست کی نظم نگاری میں زبان و بیان کی سلاست اور فصاحت بھی قابلِ ذکر ہے۔ ان کی زبان نہایت صاف، رواں اور شستہ ہے۔ مشکل تراکیب یا ثقیل الفاظ کے بجائے سادہ اور مؤثر انداز اختیار کرتے ہیں، جس سے ان کا پیغام عام قاری تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔ ان کے یہاں جذبات کی صداقت اور اظہار کی سادگی ایک ساتھ ملتی ہے۔ اسی طرح ان کی شاعری میں فطرت نگاری اور جمالیاتی احساس بھی ملتا ہے، مگر یہ فطرت نگاری محض منظر کشی تک محدود نہیں بلکہ اس میں اخلاقی اور فکری پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔ وہ فطرت کے حسن میں حقیقت کا جمال دیکھتے ہیں اور اسے انسانیت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آخر میں کہا جا سکتا ہے کہ چکبست کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات میں حب الوطنی، قومی یک جہتی، انسان دوستی، اخلاقی مقصدیت، سادہ و مؤثر زبان، مرثیہ نگاری کا اثر اور وسیع انسانی وژن شامل ہیں۔ ان کی شاعری نہ صرف اپنے عہد کی نمائندہ ہے بلکہ آج بھی قومی ہم آہنگی اور انسانی اقدار کے فروغ کے لیے نہایت اہمیت رکھتی ہے۔

2.2.7 منتخبہ نظم کی تشریح

یہ نظم ہیئت کے اعتبار سے مسدّس ہے، یعنی اس کے ہر بند میں چھ مصرعے (اشعار) ہوتے ہیں۔ یہ نظم نو بندوں پر مشتمل ہے۔ مسدس کی یہ ہیئت اردو نظم میں خاص طور پر قومی، اصلاحی اور مرثیہ نگاری کے مضامین کے اظہار کے لیے نہایت موزوں سمجھی جاتی ہے۔ چکبست نے اسی ہیئت کو اختیار کرتے ہوئے اپنے قومی جذبات، تاریخی شعور اور اصلاحی پیغام کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

آیئے اب اس نظم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلے شعر میں شاعر وطنِ ہند کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی بزرگی میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کیونکہ قدرت کی فیاضی اس سرزمین پر مسلسل جاری ہے۔ دوسرے شعر میں وہ ہندوستان کے چہرے کو نورِ ازل کا مظہر قرار دیتا ہے، یعنی اس کی خوبصورتی اور شان ازلی اور دائمی ہے۔

تیسرے شعر میں شاعر سورج کی روشنی کو اس سرزمین کی خدمت گزار دکھاتا ہے، جو اپنی کرنوں سے ہمالیہ کی چوٹی کو سجاتی ہے۔ چوتھے شعر میں وہ ہندوستان کی زمین کو اتنی زرخیز اور بابرکت قرار دیتا ہے کہ یہاں سے نکلنے والے چشموں نے چین اور عرب تک کو سیراب کیا۔

پانچویں شعر میں شاعر ماضی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب پوری دنیا جہالت اور وحشت میں ڈوبی ہوئی تھی، اس وقت ہندوستان علم و تہذیب کا مرکز تھا۔ چھٹے شعر میں اسی خیال کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ بتاتا ہے کہ جب یونان میں علم و ادب کی روشنی نہیں تھی، اس وقت اس قدیم سرزمین میں دانش کا سورج روشن تھا۔

ساتویں اور آٹھویں اشعار میں شاعر مختلف عظیم شخصیات کا ذکر کرتا ہے، جنہوں نے اس سرزمین کو عزت اور وقار بخشا۔ گوتم، سرمد، اکبر اور رانا جیسے افراد کی قربانیاں اور خدمات اس ملک کی عظمت کا حصہ ہیں۔

اگلے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اس سرزمین میں بے شمار بہادر اور عظیم لوگ مدفون ہیں، اور آج کے کھنڈر دراصل انہی کے آثار ہیں۔ اس کے بعد وہ یہ واضح کرتا ہے کہ ان بزرگوں کے اثرات آج بھی عمارتوں اور لوگوں کی رگوں میں خون کی صورت میں موجود ہیں۔

پھر شاعر ہندوستان کی مذہبی اور تہذیبی ہم آہنگی کو بیان کرتا ہے کہ یہاں ناقوس (مندر کی گھنٹی) اور اذان دونوں کی آوازیں یکساں اثر رکھتی ہیں، جو اس کی مشترکہ تہذیب کی علامت ہیں۔

اگلے اشعار میں شاعر ہندوستان کی قدرتی خوبصورتی کا ذکر کرتا ہے۔ کشمیر کی جنت نظیری، گنگا کا جلال، پھولوں اور پھلوں کی تازگی اور جنگلوں میں موروں کا رقص۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگرچہ فطرت میں وہی شان باقی ہے، انسانوں کے دلوں میں کمزوری آ گئی ہے۔

اس کے بعد شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ وطن، محبت اور سرزمین سب ویسے ہی ہیں، لیکن حالات بگڑ چکے ہیں اور قوم زوال کا شکار ہے۔ وہ اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ ہندوستان کی شناخت مٹتی جا رہی ہے اور وہ ایک بے کفن لاش کی مانند ہو گیا ہے۔

اگلے اشعار میں شاعر قوم کی زبوں حالی کا سبب بتاتا ہے کہ علم، ایمان اور کمال برباد ہو رہے ہیں جبکہ لوگ عیش و عشرت میں غافل پڑے ہیں۔

اس کے بعد شاعر ایک ولولہ انگیز انداز میں قوم کو جگانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ حب الوطنی کے جذبے کو آواز دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کرے، ان میں جوش پیدا کرے اور ماضی کی عظمت یاد دلائے۔

پھر شاعر حب الوطنی کے جذبے کو مختلف صورتوں میں بیان کرتا ہے کہ یہ آنکھوں کی روشنی، دل کا سرور اور دماغ کا خمار بن جائے۔

اگلے اشعار میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا والوں کو اپنی اپنی خوشیاں مبارک ہوں، مگر ہمیں اپنا وطن عزیز ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارے دل کے پھول اسی سرزمین میں کھلیں گے اور ہم اسی میں پیدا ہوئے اور اسی میں دفن ہوں گے۔

آخر کے اشعار میں شاعر وطن سے اپنی گہری محبت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وطن کی صبح کی روشنی ہمارے لیے دودھ کی نہر کی مانند ہے، اس کا ہر ذرہ قیمتی ہے، اور یہاں تک کہ کانٹے بھی پھولوں کے برابر عزیز ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم مرنے کے بعد بھی اسی وطن کی مٹی کو اپنا کفن بنانا چاہتے ہیں۔

2.2.8 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

یہ نظم ایک بھرپور قومی اور جذباتی نظم ہے جس میں ہندوستان کی عظمتِ رفتہ، اس کی تہذیبی و فطری خوبصورتی اور اس کے زوال کا دردناک منظر پیش کیا گیا ہے۔ شاعر ابتدا میں وطن کی شان و شوکت بیان کرتا ہے، پھر ماضی کی عظمت کو یاد دلاتا ہے اور آخر میں حال کی پستی پر افسوس کرتے ہوئے بیداری کا پیغام دیتا ہے۔ نظم کا تاثر نہایت پراثر اور ولولہ انگیز ہے۔ اس میں فخر، محبت، افسوس اور امید؛ چاروں جذبات ایک ساتھ موجود ہیں، جو قاری کے دل میں وطن سے محبت اور اصلاحِ حال کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

اس نظم کا بنیادی پیغام حب الوطنی اور قومی بیداری ہے۔ شاعر یہ باور کراتا ہے کہ ہندوستان ایک عظیم اور باوقار سرزمین ہے جس کی تاریخ علم، تہذیب اور قربانیوں سے بھری ہوئی ہے، لیکن موجودہ دور میں قوم غفلت اور زوال کا شکار ہو چکی ہے۔ دوسرے پہلو سے شاعر قوم کو جگانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے ماضی کو یاد کرے، اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو پہچانے اور اتحاد، علم اور عمل کے ذریعے دوبارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ وطن سے محبت صرف جذبات تک محدود نہ ہو بلکہ عملی جدوجہد میں ظاہر ہونی چاہیے۔

2.2.9 علم بیان

علامہ اقبال کی نظم ''ایک آرزو'' اور برج نرائن چکبست کی نظم ''خاکِ ہند'' کا مطالعہ اگر علمِ بیان کے حوالے سے کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ دونوں شعرا نے اپنے خیالات کو مؤثر بنانے کے لیے تشبیہ، استعارہ اور تجسیم کا نہایت خوبصورت استعمال کیا ہے۔ علمِ بیان دراصل زبان کو تصویری اور اثر انگیز بناتا ہے، اور یہی خوبی ان دونوں نظموں میں نمایاں نظر آتی ہے۔

اقبال کی نظم میں تشبیہ اور تجسیم کا استعمال زیادہ نمایاں ہے۔ وہ فطرت کے مناظر کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ بے جان چیزیں جاندار محسوس ہونے لگتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ منظر جہاں پھول کی ٹہنی پانی کو چھوتی ہے اور شاعر اسے یوں بیان کرتا ہے جیسے کوئی حسین آئینہ دیکھ رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک واضح تشبیہ ہے کیونکہ 'جیسے' کے ذریعے موازنہ قائم کیا گیا ہے۔ اسی طرح پانی کی موجوں کو دیکھنے والا قرار دینا تجسیم کی مثال ہے، کیونکہ پانی کو انسانی صفت دی گئی ہے۔ اس طرح اقبال فطرت کو محض منظر نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ بنا دیتے ہیں۔

اقبال کے ہاں استعارہ بھی نہایت لطیف انداز میں ملتا ہے۔ مثلاً شام کو 'دلہن' کہنا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔ یہاں شام کو براہِ راست دلہن نہیں کہا گیا بلکہ اس کی سرخی اور حسن کو دلہن کے پیکر میں ڈھال دیا گیا ہے۔ اسی طرح 'چشمہ باجا سا بج رہا ہو' میں چشمے کی آواز کو موسیقی سے تعبیر کیا گیا ہے، جو استعارہ اور تشبیہ دونوں کی کیفیت رکھتا ہے۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کے ہاں علمِ بیان فطرت کی جمالیاتی تعبیر کا ذریعہ ہے۔

دوسری طرف چکبست کی نظم 'خاکِ ہند' میں استعارہ اور کنایہ کا استعمال زیادہ نمایاں ہے، جو قومی اور جذباتی کیفیت کو ابھارتا ہے۔ مثال کے طور پر 'ہندوستان ایک لاش بے کفن ہے' ایک طاقتور استعارہ ہے، جس کے ذریعے قوم کی زبوں حالی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح 'خاکِ وطن' کو ماں یا مقدس شے کے طور پر پیش کرنا بھی استعارہ ہے، جس سے وطن کی عظمت اور تقدس اجاگر ہوتا ہے۔

چکبست کے ہاں تشبیہ بھی موجود ہے، اگرچہ نسبتاً کم صراحت کے ساتھ۔ مثال کے طور پر وطن کو 'چمن' اور اہلِ وطن کو 'پھول' قرار دینا ایک تشبیہی انداز ہے، جس میں ایک پورا منظر تخلیق کیا گیا ہے۔ اسی طرح 'اپنی رگوں میں ان کا لہو رواں ہے' ایک کنایہ ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی روایات اور جذبوں کے وارث ہیں۔ یہاں براہِ راست بات کہنے کے بجائے علامتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اقبال کی نظم میں علمِ بیان فطرت کی خوبصورتی اور داخلی سکون کو اجاگر کرتا ہے، جبکہ چکبست کی نظم میں یہی علم قومی بیداری اور جذباتی اثر پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ دونوں شعرا کے ہاں تشبیہ اور استعارہ نہ صرف زبان کو دلکش بناتے ہیں بلکہ قاری کے ذہن میں واضح تصویریں بھی قائم کرتے ہیں، جس سے نظم کا پیغام زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ علامہ اقبال کا اصل نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔

2۔ اقبال نے فلسفہ میں ایم اے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں کیا۔

3۔ اقبال کی نظم ''نالۂ یتیم'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں مقبول ہوئی۔

4۔ چکبست کی پیدائش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں ہوئی۔

5۔ نظم ''خاکِ ہند'' کا بنیادی پیغام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

2.3 الفاظ و معنی

الفاظ	معنی
اُکتا گیا	دل اچاٹ ہو جانا
انجمن	محفل
سکوت	خاموشی
عزلت	تنہائی
سرود	نغمہ، گیت
ساغر	پیالہ
جہاں نما	دنیا دکھانے والا
جلوت	محفل

خلوت	تنہائی
مانوس	آشنا، عادی
کہسار	پہاڑی علاقہ
آغوش	گود
قبا	لباس
کٹیا	جھونپڑی
موذن	اذان دینے والا
روزن	روشن دان
شبنم	اوس
نالہ	فریاد
درا	قافلے کو چلانے کی آواز
دردمند	غمزدہ
گماں	شک
فیض	بخشش، عنایت
رواں	جاری
جبیں	پیشانی
ازل	ہمیشہ سے، ابتدا سے پہلے
اوج	بلندی
دل نشیں	دل کو بھانے والا
وحشت	جہالت، جنگلی پن
تاباں	روشن
وادی کہن	قدیم سرزمین
نہاں	چھپا ہوا
عیاں	ظاہر
ناقوس	مندر کی گھنٹی
فغاں	آواز
فردوس گوش	کانوں کے لیے جنت جیسی کیفیت
شوکت	جلال
طاؤس	مور
برہم	بگڑا ہوا
اجل	موت
خواب گراں	گہری نیند

صور	بگل (جگانے کی آواز)
شرارے	چنگاریاں
بوستاں	باغ
سرووسمن	خوبصورت درخت اور پھول
غنچہ	کلی
جوئے شیر	دودھ کی نہر
رشک	حسد کے قابل
خلعت	لباس

2.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات

I

1۔ علامہ محمد اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔
2۔ اقبال کی شاعری کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا تھا۔
3۔ برج نرائن چکبست فیض آباد میں پیدا ہوئے۔
4۔ چکبست نے 1907ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔
5۔ چکبست کی شاعری کا مرکزی موضوع حب الوطنی اور قومی شعور ہے۔

II

1۔ شیخ محمد اقبال
2۔ 1899ء
3۔ انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں
4۔ فیض آباد
5۔ حب الوطنی اور قومی بیداری

2.5 خلاصہ

علامہ اقبال کی نظم 'ایک آرزو' اور برج نرائن چکبست کی نظم 'خاکِ ہند' پر مشتمل یہ اکائی فکری، اخلاقی اور قومی شعور کے مختلف پہلوؤں کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کرتی ہے۔ دونوں نظموں کے موضوعات الگ ہونے کے باوجود ان میں ایک مشترک قدر انسان کی داخلی بیداری اور اعلیٰ اقدار کی تلاش ہے۔

اس اکائی کے پہلے حصے میں اقبال کی نظم 'ایک آرزو' شامل ہے، جس میں شاعر دنیا کی مصنوعی زندگی، شور و غوغا اور مادی الجھنوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ایک ایسی پُرسکون زندگی کا خواہش مند ہے جو فطرت کے قریب ہو، جہاں سادگی، خاموشی اور روحانی سکون میسر ہو۔ اس نظم میں فطرت نگاری کے حسین مناظر کے ساتھ ساتھ درویشی، استغنا اور خودی کی ابتدائی جھلک بھی ملتی ہے۔ اقبال انسان کو اپنی باطنی دنیا کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور یہ پیغام دیتے ہیں کہ حقیقی سکون دنیاوی ہنگاموں سے دور، سادہ اور فطری زندگی میں ہے۔

اکائی کے دوسرے حصے میں چکبست کی نظم 'خاکِ ہند' شامل ہے، جو ایک قومی اور اصلاحی نظم ہے۔ اس میں شاعر ہندوستان کی عظمتِ رفتہ، اس کی تہذیبی شان اور قدرتی حسن کو بیان کرتا ہے، مگر ساتھ ہی موجودہ زوال پر گہرا افسوس بھی ظاہر کرتا ہے۔ چکبست قوم کو غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہیں اور انہیں ماضی کی عظمت یاد دلا کر عمل، اتحاد اور حب الوطنی کی تلقین کرتے ہیں۔ نظم میں وطن سے گہری محبت، قومی یک جہتی اور قربانی کا جذبہ نمایاں ہے۔

مجموعی طور پر یہ اکائی انسان کی دو مختلف مگر اہم جہتوں کو واضح کرتی ہے: ایک طرف اقبال کی نظم فرد کی داخلی اصلاح، روحانی سکون اور فطرت سے قربت کی دعوت دیتی ہے، جبکہ دوسری طرف چکبست کی نظم اجتماعی شعور، قومی بیداری اور وطن سے محبت کا درس دیتی ہے۔

2.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں:

شعری صنعت کو پہچانیے

درج ذیل مثالوں میں بتائیے کہ یہ تشبیہ، استعارہ یا کنایہ ہے (صرف صنعت کا نام لکھیں):

1۔ شام کی دلھن نے سرخی کا جوڑا پہن لیا

2۔ وطن ایک گلشن ہے

3۔ رگوں میں بزرگوں کا لہو دوڑ رہا ہے

4۔ پھولوں کی ٹہنی جیسے آئینہ دیکھ رہی ہو

5۔ دل میں سکون کا چراغ جل اٹھا

سادہ سوالات (ہر سوال کا جواب دو سے تین سطروں میں دیں)

1۔ اقبال کی نظم میں فطرت کی خاموشی کو کیوں اہمیت دی گئی ہے؟

2۔ ''شام کی دلہن'' سے شاعر کیا مراد لیتا ہے؟

3۔ چکبست نے وطن کو 'چمن' کیوں کہا ہے؟

4۔ 'ہندوستان ایک لاش بے کفن ہے' میں شاعر کیا کیفیت ظاہر کرتا ہے؟

5۔ اقبال کے نزدیک حقیقی سکون کہاں حاصل ہوتا ہے؟

خود بنائیے:

1۔ ایک جملہ لکھیں جس میں تشبیہ ہو۔

مثال: اس کی آواز کوئل کی طرح میٹھی ہے۔

2۔ ایک جملہ لکھیں جس میں استعارہ ہو۔

مثال: علم روشنی ہے۔

سمجھ کر جواب دیں

1۔اقبال اور چکبست میں سے کس شاعر کا انداز آپ کو زیادہ مؤثر لگا؟ ایک وجہ تحریر کریں۔

کام کا تجربہ

Translate into Urdu:

1. Iqbal loved nature and peace.
2. He wanted a simple and quiet life.
3. Chakbast wrote about the greatness of his country.
4. He reminded people of their past glory.
5. India has a rich culture and history.
6. People should love their homeland.
7. Nature gives peace to the human heart.
8. A nation becomes strong with unity.
9. We should learn from our past.
10. Love for country makes us responsible citizens.

2.7 مشقی سوالات

1۔علامہ اقبال کی نظم 'ایک آرزو' کا مرکزی خیال کیا ہے؟
2۔فطرت نگاری کے حوالے سے اقبال کے اسلوب پر روشنی ڈالیے۔
3۔برج نرائن چکبست کی نظم 'خاکِ ہند' کا خلاصہ تحریر کیجیے۔
4۔چکبست کی نظم میں حب الوطنی کے عناصر بیان کیجیے۔
5۔دونوں نظموں کے پیغام کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

2.8 مزید مطالعے کے لیے کتب

1 کلیات اقبال، علامہ اقبال
2 فکرِ اقبال، خلیفہ عبدالحکیم
3 کالی داس گپتا رضا، کلیاتِ چکبستؔ (نظم)
4 جدید اردو نظم۔نظریہ اور عمل، عقیل احمد صدیقی
5 اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی
6 اردو نظم: فن، ارتقائی تسلسل اور منتخب تجزیے، راشد انور راشد

اکائی 3 : اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی

ساخت

3.0 مقاصد

3.1 تمہید

3.2 موضوع کی وضاحت

3.2.1 نظم 1 اودیس سے آنے والے بتا

3.2.2 اختر شیرانی کی نظم نگاری

3.2.3 منتخب نظم کی تشریح

3.2.4 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

3.2.5 نظم II الیلی صبح

3.2.6 جوش ملیح آبادی کی نظم نگاری

3.2.7 نظم کی تشریح

3.2.8 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

3.2.9 علم بدیع

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

3.3 الفاظ اور معنی

3.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات I

خود اکتسابی سوالات کے جوابات II

3.5 خلاصہ

3.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں

کام کا تجربہ

3.6 مشقی سوالات

3.7 مزید مطالعے کے لیے کتب

3.0 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔

1۔اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی کی شخصیت اور ادبی خدمات سے واقف ہوسکیں گے۔

2۔اختر شیرانی کی نظم ''اودیس سے آنے والے بتا'' اور جوش ملیح آبادی کی نظم ''الیلی صبح'' کے متن، مفہوم اور پس منظر کو سمجھ سکیں گے۔

3۔دونوں شعرا کی نظم نگاری کی خصوصیات، اسلوب اور فکری جہات کا ادراک حاصل کریں گے۔

4۔منتخبہ نظموں کی تشریح، مرکزی خیال اور مجموعی پیغام کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔

5۔علمِ بدیع (مثلاً صنعتِ تضاد، مراعات النظیر ،صنعتِ تکرار وغیرہ) کے استعمال کو پہچان کر ادبی متن کی بہتر تفہیم حاصل کر سکیں گے۔

3.1 تمہید

اختر شیرانی اردو ادب کے ایک منفرد اور حساس شاعر، ادیب اور نثر نگار تھے جنہوں نے اپنی رومانوی اور جذباتی شاعری کے ذریعے ایک الگ پہچان قائم کی۔ان کا اصل نام داؤد خاں تھا اور وہ 4 مئی 1905ء کو ٹونک میں پیدا ہوئے۔وہ معروف محقق اور عالم حافظ محمود شیرانی کے اکلوتے بیٹے تھے،اس لیے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت عمدہ علمی ماحول میں ہوئی۔عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جسمانی تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا،تاہم ان کا فطری میلان شروع ہی سے شاعری اور جمالیاتی احساسات کی طرف تھا۔

اختر شیرانی نے کم عمری میں ہی شاعری کا آغاز کر دیا اور بعد میں لاہور جا کر اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے اورینٹل کالج سے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے۔اسی دوران انہوں نے شاعری میں باقاعدہ تربیت حاصل کی اور جلد ہی ایک نمایاں شاعر کے طور پر پہچانے جانے لگے۔انہوں نے عملی زندگی میں ملازمت اختیار نہیں کی بلکہ صحافت اور ادبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے اور متعدد رسائل جاری کیے۔

اختر شیرانی کو عام طور پر 'شاعرِ رومان' کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کی شاعری میں عشق، حسن اور جذبات کی لطافت نمایاں ہے۔انہوں نے اپنی نظموں میں سلمیٰ، عذرا اور ریحانہ جیسے ناموں کو علامتی حیثیت دے کر محبوب کے ایک نئے، باوقار اور زندہ تصور کو پیش کیا، جو اردو شاعری کے روایتی معشوق سے مختلف ہے۔تاہم انہیں محض رومانوی شاعر کہنا ان کے فن کے ساتھ ناانصافی ہے، کیونکہ ان کی شاعری میں حب الوطنی، انسانی احساسات اور زندگی کی خوبصورتی کا گہرا شعور بھی موجود ہے۔

اختر شیرانی کا ادبی نظریہ یہ تھا کہ شاعر کا کام زندگی کے حسن کو دیکھنا اور دوسروں کو دکھانا ہے، نہ کہ محض سماجی یا سیاسی مسائل کا حل پیش کرنا۔ اسی وجہ سے وہ کسی خاص ادبی یا سیاسی تحریک سے وابستہ نہیں ہوئے۔ان کی شاعری میں آزادی اور وطن سے محبت کا جذبہ بھی نمایاں ہے، جس کا اظہار ان کے انقلابی اشعار میں ملتا ہے۔

ان کی ادبی خدمات میں شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری بھی شامل ہے۔ان کا پہلا شعری مجموعہ ''پھولوں کے گیت'' بچوں کے ادب میں ایک اہم کارنامہ سمجھا جاتا ہے، جبکہ ''نغمۂ حرم'' بھی ان کی قابلِ ذکر تصنیف ہے۔انہوں نے اردو شاعری میں نئی ہیئتوں جیسے گیت، ماہیا اور سانیٹ کو متعارف کرانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔نثر میں انہوں نے تراجم، افسانے اور ادبی مضامین لکھے، اور کئی رسائل کی ادارت کی۔

ذاتی زندگی میں اختر شیرانی کو کئی مشکلات اور صدمات کا سامنا کرنا پڑا۔عشق، مالی مسائل اور شراب نوشی نے ان کی زندگی کو متاثر کیا، اور بالآخر وہ 9 ستمبر 1948ء کو صرف 43 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔

جوش ملیح آبادی اردو شاعری کے ایک عظیم اور ہمہ جہت شاعر، ادیب اور مفکر تھے جنہوں نے اپنی ولولہ انگیز اور انقلابی شاعری کے ذریعے ادب کو ایک نئی جہت عطا کی۔ان کا اصل نام شبیر حسن خاں تھا اور وہ انیسویں صدی کے آخری دور میں اودھ کے مشہور قصبے ملیح آباد میں ایک علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کے خاندان میں شعر و ادب کی روایت موجود تھی، جس کا اثر ان کی شخصیت اور فن پر نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

جوش ملیح آبادی کو 'شاعرِ انقلاب' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی شاعری میں آزادی، بغاوت، حریت اور انسانی وقار کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔انہوں نے برصغیر کی آزادی کی تحریک کے دوران اپنی نظموں کے ذریعے عوام میں جوش و ولولہ پیدا کیا اور انگریز حکومت کے خلاف بیداری کا پیغام دیا۔ان کے کلام میں جہاں انقلابی فکر کی جھلک ملتی ہے وہیں عشق، حسن، فطرت اور انسانی جذبات کی لطافت بھی بھرپور انداز میں نمایاں ہے۔

جوش کی تعلیم و تربیت مختلف علمی مراکز میں ہوئی اور انہوں نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔اگرچہ ان کی رسمی تعلیم

مکمل نہ ہوسکی، لیکن ان کا ذوقِ مطالعہ اور فطری ذہانت انہیں ایک بلند پایہ عالم اور ادیب بنانے میں معاون ثابت ہوئی۔ انہوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

نثری ادب میں ان کی سب سے مشہور تصنیف خودنوشت سوانح عمری ''یادوں کی برات'' ہے، جو اردو ادب کا ایک اہم شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں، مشاہدات اور تجربات کو نہایت دلچسپ اور بے باک انداز میں بیان کیا ہے، جس سے ان کی شخصیت کے کئی رنگ سامنے آتے ہیں۔

جوش ملیح آبادی نے مختلف ادبی و صحافتی خدمات بھی انجام دیں۔ وہ رسالہ ''کلیم'' کے اجرا سے وابستہ رہے اور بعد ازاں سرکاری جریدے ''آجکل'' کے مدیر بھی رہے۔ انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے بعد پاکستان ہجرت کی، جہاں انہوں نے اردو زبان و ادب کی خدمت جاری رکھی۔ ان کی شاعری کے مجموعے کثیر تعداد میں ہیں جن میں ''روحِ ادب''، ''شعلہ و شبنم''، ''جنون و حکمت''، ''حرف و حکایت'' وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے کلام میں جوش، ولولہ، فکری گہرائی اور زبان و بیان کی قوت نمایاں ہے۔

مختصر یہ کہ جوش ملیح آبادی ایک ایسے عظیم شاعر تھے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف ادبی دنیا کو مالا مال کیا بلکہ قوم میں آزادی، خودی اور بیداری کا جذبہ بھی پیدا کیا۔ ان کا شمار اردو کے ان شعرا میں ہوتا ہے جن کی آواز آج بھی زندہ اور مؤثر محسوس ہوتی ہے۔ ان کا انتقال 22 فروری 1982 میں ہوا۔

3.2 موضوع کی وضاحت

3.2.1 نظم I اودیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والا ہے بتا
او دیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یاران وطن
آوارۂ غربت کو بھی سنا
کس رنگ میں ہے کنعان وطن
وہ باغ وطن فردوس وطن
وہ سرو وطن ریحان وطن
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں
مستانہ ہوائیں آتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کے پربت پر
گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کی برکھائیں

ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وطن میں ویسے ہی
سرمست نظارے ہوتے ہیں
کیا اب بھی سہانی راتوں کو
وہ چاند ستارے ہوتے ہیں
ہم کھیل جو کھیلا کرتے تھے
کیا اب وہی سارے ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی شفق کے سایوں میں
دن رات کے دامن ملتے ہیں
کیا اب بھی چمن میں ویسے ہی
خوش رنگ شگوفے کھلتے ہیں
برساتی ہوا کی لہروں سے
بھیگے ہوئے پودے ہلتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
شاداب و شگفتہ پھولوں سے
معمور ہیں گل زار اب کہ نہیں
بازار میں مالن لاتی ہے
پھولوں کے گندھے ہار اب کہ نہیں
اور شوق سے ٹوٹے پڑتے ہیں
نوعمر خریدار اب کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا شام پڑے گلیوں میں وہی
دلچسپ اندھیرا ہوتا ہے
اور سڑکوں کی دھندلی شمعوں پر
سایوں کا بسیرا ہوتا ہے
باغوں کی گھنیری شاخوں میں
جس طرح سویرا ہوتا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وہاں ویسی ہی جواں
اور مدھ بھری راتیں ہوتی ہیں
کیا رات بھر اب بھی گیتوں کی
اور پیار کی باتیں ہوتی ہیں
وہ حسن کے جادو چلتے ہیں
وہ عشق کی گھاتیں ہوتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
میرانیوں کے آغوش میں ہے
آباد وہ بازار اب کہ نہیں
تلواریں بغل میں دابے ہوئے
پھرتے ہیں طرحدار اب کہ نہیں
اور بہلیوں میں سے جھانکتے ہیں
ترکان سیہ کار اب کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی مہکتے مندر سے
ناقوس کی آواز آتی ہے
کیا اب بھی مقدس مسجد پر
مستانہ اذاں تھراتی ہے
اور شام کے رنگیں سایوں پر
عظمت کی جھلک چھا جاتی ہے
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والا بتا
کیا اب بھی وہاں کے پنگھٹ پر
پنہاریاں پانی بھرتی ہیں
انگڑائی کا نقشہ بن بن کر
سب ماتھے پہ گاگر دھرتی ہیں
اور اپنے گھروں کو جاتے ہوئے
ہنستی ہوئی چہلیں کرتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
برسات کے موسم اب بھی وہاں
ویسے ہی سہانے ہوتے ہیں
کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں
جھولے اور گانے ہوتے ہیں
اور دور کہیں کچھ دیکھتے ہی
نوعمر دیوانے ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی پہاڑی چوٹیوں پر
برسات کے بادل چھاتے ہیں

کیا اب بھی ہوائے ساحل کے
وہ رس بھرے جھونکے آتے ہیں
اور سب سے اونچی ٹیکری پر
لوگ اب بھی ترانے گاتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی پہاڑی گھاٹیوں میں
گھنگھور گھٹائیں گونجتی ہیں
ساحل کے گھنیرے پیڑوں میں
برکھا کی ہوائیں گونجتی ہیں
جھینگر کے ترانے جاگتے ہیں
موروں کی صدائیں گونجتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وہاں میلوں میں وہی
برسات کا جوبن ہوتا ہے
پھیلے ہوئے بڑ کی شاخوں میں
جھولوں کا نشیمن ہوتا ہے
اٹڈے ہوئے بادل ہوتے ہیں
چھایا ہوا ساون ہوتا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا شہر کے گرد اب بھی ہے رواں
دریائے حسیں لہرائے ہوئے
جوں گود میں اپنے من کو لیے
ناگن ہو کوئی تھرائے ہوئے

یا نور کی ہنسلی حور کی گردن
میں ہو عیاں بل کھائے ہوئے
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی فضا کے دامن میں
برکھا کے سمے لہراتے ہیں
کیا اب بھی کنار دریا پر
طوفان کے جھونکے آتے ہیں
کیا اب بھی اندھیری راتوں میں
ملاح ترانے گاتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وہاں برسات کے دن
باغوں میں بہاریں آتی ہیں
معصوم و حسیں دوشیزائیں
برکھا کے ترانے گاتی ہیں
اور تیتریوں کی طرح سے رنگیں
جھولوں پر لہراتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی افق کے سینے پر
شاداب گھٹائیں جھومتی ہیں
دریا کے کنارے باغوں میں
مستانہ ہوائیں جھومتی ہیں
اور ان کے نشیلے جھونکوں سے
خاموش فضائیں جھومتی ہیں

او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں
احباب کنار دریا پر
وہ پیڑ گھنیرے اب بھی ہیں
شاداب کنار دریا پر
اور پیار سے آ کر جھانکتا ہے
مہتاب کنار دریا پر
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا آم کے اونچے پیڑوں پر
اب بھی وہ پپیہے بولتے ہیں
شاخوں کے حریری پردوں میں
نغموں کے خزانے گھولتے ہیں
ساون کے رسیلے گیتوں سے
تالاب میں امرس گھولتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا پہلی سی ہے معصوم ابھی
وہ مدرسے کی شاداب فضا
کچھ بھولے ہوئے دن گزرے ہیں
جس میں وہ مثال خواب فضا
وہ کھیل وہ ہم سن وہ میداں
وہ خواب گہہ مہتاب فضا
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی کسی کے سینے میں
باقی ہے ہماری چاہ بتا
کیا یاد ہمیں بھی کرتا ہے
اب یاروں میں کوئی آہ بتا
او دیس سے آنے والے بتا
للہ بتا للہ بتا
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا ہم کو وطن کے باغوں کی
مستانہ فضائیں بھول گئیں
برکھا کی بہاریں بھول گئیں
ساون کی گھٹائیں بھول گئیں
دریا کے کنارے بھول گئے
جنگل کی ہوائیں بھول گئیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا گاؤں میں اب بھی ویسی ہی
مستی بھری راتیں آتی ہیں
دیہات کی کمسن ماہ وشیں
تالاب کی جانب جاتی ہیں
اور چاند کی سادہ روشنی میں
رنگین ترانے گاتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی گجردم چرواہے

ریوڑ کو چرانے جاتے ہیں
اور شام کے دھندلے سایوں کے
ہم راہ گھروں کو آتے ہیں
اور اپنی رسیلی بانسریوں
میں عشق کے نغمے گاتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا گاؤں پہ اب بھی ساون میں
برکھا کی بہاریں چھاتی ہیں
معصوم گھروں سے بھور بھئے
چکی کی صدائیں آتی ہیں
اور یاد میں اپنے میکے کی
بچھڑی ہوئی سکھیاں گاتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
دریا کا وہ خواب آلودہ سا گھاٹ
اور اس کی فضائیں کیسی ہیں
وہ گاؤں وہ منظر وہ تالاب
اور اس کی ہوائیں کیسی ہیں
وہ کھیت وہ جنگل وہ چڑیاں
اور ان کی صدائیں کیسی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی پرانے کھنڈروں پر
تاریخ کی عبرت طاری ہے
ان پورنا کے اجڑے مندر پر

مایوسی و حسرت طاری ہے
سنسان گھروں پر چھاؤنی کے
ویرانی و رقت طاری ہے
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
آخر میں یہ حسرت ہے کہ بتا
وہ غارت ایماں کیسی ہے
بچپن میں جو آفت ڈھاتی تھی
وہ آفت دوراں کیسی ہے
ہم دونوں تھے جس کے پروانے
وہ شمع شبستاں کیسی ہے
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
مرجانا تھا جس کا نام بتا
وہ غنچہ دہن کس حال میں ہے
جس پر تھے فدا طفلان وطن
وہ جان وطن کس حال میں ہے
وہ سرو چمن وہ رشک سمن
وہ سیم بدن کس حال میں ہے
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی رخ گلرنگ پہ وہ
جنت کے نظارے روشن ہیں
کیا اب بھی رسیلی آنکھوں میں
ساون کے ستارے روشن ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی شہابی عارض پر
گیسوئے سیہ بل کھاتے ہیں
یا بحر شفق کی موجوں پر
دو ناگ پڑے لہراتے ہیں
اور جن کی جھلک سے ساون کی
راتوں کے سپنے آتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا
اب نام خدا ہوگی وہ جواں
میکے میں ہے یا سسرال گئی
دوشیزہ ہے یا آفت میں اسے
کمبخت جوانی ڈال گئی
گھر پر ہی رہی یا گھر سے گئی
خوش حال رہی خوش حال گئی
او دیس سے آنے والے بتا

3.2.2 اختر شیرانی کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات

اردو شاعری میں رومانیت کی ایک طویل روایت رہی ہے، لیکن اختر شیرانی اس روایت کے سب سے نمایاں اور مکمل نمائندہ شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کی نظموں کا بنیادی وصف رومانیت ہے، جو عشق، حسن، فطرت اور جذبات کی لطافت سے عبارت ہے۔ ان کی شاعری میں عشق محض ایک موضوع نہیں بلکہ ایک جیتا جاگتا تجربہ ہے، جو انسانی زندگی کی گہرائیوں سے جڑا ہوا ہے۔ اختر شیرانی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اردو شاعری میں محبوبہ کو ایک واضح نسوانی کردار کے طور پر پیش کیا۔ ان سے قبل اردو شاعری میں محبوب کی جنس عموماً مبہم یا مذکر انداز میں بیان کی جاتی تھی، لیکن اختر نے سلمیٰ، عذرا، ریحانہ اور شیریں جیسے ناموں کے ذریعے عورت کو ایک حقیقی اور جاندار وجود کے طور پر پیش کیا۔ ان کی محبوبہ مشرقی حسن، شرم و حیا، نزاکت اور وقار کی حامل ہے، جو اردو شاعری میں ایک نئی روایت کی بنیاد رکھتی ہے۔

ان کی نظموں میں عشق کا تصور فطری اور انسانی ہے۔ وہ عشق کو نہ گناہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی محض خیالی جذبہ، بلکہ اسے انسانی فطرت کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے کلام میں ہجر، وصال، انتظار اور جذباتی کشمکش جیسے موضوعات نہایت سادہ اور مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان بناوٹ سے پاک اور دل سے نکلا ہوا محسوس ہوتا ہے، جو براہِ راست قاری کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

فطرت نگاری بھی اختر شیرانی کی نظموں کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ وہ فطرت کے مناظر کو نہایت خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں اور ان میں زندگی اور حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ دیہاتی زندگی، وادیاں، کھیت، پنگھٹ، چرواہے اور پرندے ان کی نظموں میں اس طرح جلوہ گر ہوتے ہیں کہ ایک مکمل منظر قاری کے سامنے آ جاتا ہے۔ ان کی منظر نگاری میں تصویریت اور پیکر تراشی کا اعلیٰ نمونہ ملتا ہے۔

تخیل کی فراوانی اور جذبات کی شدت بھی ان کے کلام کا نمایاں پہلو ہے۔ وہ اپنے تخیل کے ذریعے حسن و عشق کی ایسی دنیا تخلیق کرتے ہیں جہاں قاری خود کو کھو دیتا ہے۔ ان کے ہاں والہانہ پن، بے خودی اور جذباتی سچائی نمایاں ہے۔ وہ جس کیفیت کو محسوس کرتے ہیں، اسے نہایت فطری انداز میں بیان کر دیتے ہیں۔ اختر شیرانی کی نظموں میں درد، اداسی اور محرومی کا احساس بھی نمایاں ہے۔ بعض نظموں میں ایک کھوئی ہوئی دنیا کی یاد، ہجرت کا کرب اور تنہائی کی کیفیت ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں حالات سے فرار اور ایک مثالی دنیا کی جستجو بھی نظر آتی ہے، جہاں حسن، محبت اور سکون میسر ہو۔

فنی اعتبار سے بھی اختر شیرانی کی نظم نگاری نہایت اہم ہے۔ ان کی زبان سادہ، رواں اور شیریں ہے۔ وہ موسیقیت اور غنائیت کو خاص اہمیت دیتے ہیں، جس کے باعث ان کی نظمیں مترنم اور دلنشین بن جاتی ہیں۔ نئی تراکیب، خوبصورت تشبیہات اور استعاروں کے استعمال سے انہوں نے اپنے کلام کو مزید مؤثر بنایا۔ ان کی نظموں میں پیکر تراشی اور منظر نگاری کی وجہ سے ایک تصویری حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے بھی انہوں نے مختلف تجربے کیے۔ گیت، ماہیا اور سانیٹ جیسی اصناف کو اردو نظم میں کامیابی سے برتا، جس سے ان کی فنی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اختر شیرانی کی شاعری میں حب الوطنی کا جذبہ بھی ملتا ہے۔ اگرچہ ان کی پہچان ایک رومانوی شاعر کی ہے، لیکن انہوں نے وطن، آزادی اور قومی شعور پر بھی نظمیں لکھیں، جن میں ان کی قومی فکر نمایاں ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ اختر شیرانی کی نظم نگاری رومانیت، فطرت نگاری، جذباتی سچائی، نسوانی کردار کی پیش کش، موسیقیت اور فنی جدت کا حسین امتزاج ہے۔ انہوں نے اردو نظم کو ایک نیا جمالیاتی اور جذباتی رنگ عطا کیا اور آنے والی نسلوں پر گہرا اثر چھوڑا۔ اگرچہ انہیں محض 'شاعرِ رومان' کہہ کر محدود کر دیا گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری میں انسانی زندگی کے کئی رنگ موجود ہیں، جو انہیں اردو ادب میں ایک اہم اور منفرد مقام عطا کرتے ہیں۔

3.2.3 منتخبہ نظم کی تشریح

اختر شیرانی کی نظم 'اودیس سے آنے والے بتا' ایک طویل بیانیہ اور ترجیعی نظم ہے جس میں ہر بند کے آخر میں ایک مصرعہ بار بار دہرایا گیا ہے، جس سے نظم میں ترنم، تسلسل اور جذباتی شدت پیدا ہوتی ہے۔ اس نظم کا بنیادی موضوع وطن کی یاد، ہجرت کا کرب، فطرت سے وابستگی اور ماضی کی حسین یادیں ہیں۔ شاعر ایک ایسے مسافر سے مخاطب ہے جو وطن سے آیا ہے اور اس سے اپنے وطن کے حالات پوچھتا ہے۔ نظم کی ہیئت بندوں (stanzas) پر مشتمل ہے اور ہر بند ایک الگ منظر یا احساس کو پیش کرتا ہے، مگر مجموعی طور پر سب ایک ہی جذبے یعنی وطن کی یاد اور جدائی سے مربوط ہیں۔ آیئے اس نظم کو سمجھتے ہیں:

بند 1:

پہلے بند میں شاعر ایک اجنبی مسافر کو مخاطب کر کے اپنے وطن کے حالات دریافت کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو 'آوارۂ غربت' کہتا ہے، جس سے اس کی جلاوطنی اور بے وطنی کا درد ظاہر ہوتا ہے۔ 'کنعان وطن' اور 'فردوس وطن' جیسے الفاظ وطن کی خوبصورتی اور جنت نظیر حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس بند میں شاعر کے دل میں وطن کی شدید یاد اور بے چینی نمایاں ہے۔

بند 2:

اس بند میں شاعر وطن کی فطری خوبصورتی کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ وہ باغوں کی مست ہواؤں، پہاڑوں پر چھانے والی گھٹاؤں اور بارشوں کی دلکشی کو یاد کرتا ہے۔ یہاں فطرت کی تصویریں نہایت دلکش انداز میں پیش کی گئی ہیں، جو شاعر کی فطرت سے گہری محبت کو ظاہر

کرتی ہیں۔

بند3:

شاعر بچپن کی یادوں کو تازہ کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا اب بھی ویسے ہی مناظر اور کھیل موجود ہیں۔ یہاں ماضی کی معصوم خوشیوں اور حال کی محرومی کا تقابل کیا گیا ہے، جس سے ایک گہری حسرت پیدا ہوتی ہے۔

بند4:

اس بند میں فطرت کے حسین مناظر جیسے شفق، چمن، شگوفے اور بارش سے بھیگے پودوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ شاعر یہ جاننا چاہتا ہے کہ کیا اب بھی یہ سب ویسا ہی ہے۔ اس سے اس کی فطرت سے وابستگی اور یادوں کی شدت کا اظہار ہوتا ہے۔

بند5:

یہاں شاعر پھولوں، گلزاروں اور بازار کے مناظر بیان کرتا ہے۔ مالن کے پھول بیچنے اور نوجوانوں کے شوق سے خریدنے کا ذکر ایک زندہ معاشرتی منظر پیش کرتا ہے۔ اس بند میں دیہاتی زندگی کی سادگی اور خوشی نمایاں ہے۔

بند6:

شاعر شام کے وقت کے مناظر کو یاد کرتا ہے۔ گلیوں کا اندھیرا، سڑکوں کی مدھم روشنی اور سایوں کا پھیلاؤ ایک پرسکون اور رومانوی ماحول پیدا کرتا ہے۔ یہاں فطرت اور شہر دونوں کے حسین امتزاج کو دکھایا گیا ہے۔

بند7:

اس بند میں شاعر جوانی اور محبت کی راتوں کا ذکر کرتا ہے۔ گیتوں، پیار کی باتوں اور حسن و عشق کی فضا کو یاد کرتے ہوئے شاعر اپنے ماضی کی رومانوی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔

بند8:

یہاں قدیم تہذیبی اور معاشرتی مناظر پیش کیے گئے ہیں جیسے بازار، بہلیاں اور مختلف کردار۔ اس بند میں ماضی کی تہذیب اور اس کی رونقوں کا ذکر ہے جو اب شاید ختم ہو چکی ہیں۔

بند9:

شاعر مذہبی ہم آہنگی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ مندر کی گھنٹیاں اور مسجد کی اذان دونوں کا ذکر اس بات کی علامت ہے کہ وطن میں مذہبی رواداری اور اتحاد موجود تھا۔ یہ بند ہندوستانی تہذیب کی خوبصورتی کو ظاہر کرتا ہے۔

بند10:

اس بند میں دیہاتی زندگی کی سادہ مگر دلکش تصویر پیش کی گئی ہے۔ پنگھٹ، پنہاریاں، گاگر اور ان کی چہلیں ایک جیتی جاگتی تصویر بناتے ہیں۔ شاعر ان مناظر کو شدت سے یاد کرتا ہے۔

بند11 تا15:

ان بندوں میں شاعر برسات، جھولوں، پہاڑوں، دریا، بادلوں اور قدرتی مناظر کا مسلسل ذکر کرتا ہے۔ ہر بند میں ایک نئی تصویر سامنے آتی ہے۔ یہ تمام مناظر شاعر کے دل میں بسے ہوئے ہیں اور وہ جاننا چاہتا ہے کہ کیا یہ سب اب بھی ویسا ہی ہے۔ یہاں فطرت نگاری اپنے عروج پر ہے۔

بند16 تا20:

یہ بند یادوں کی گہرائی کو مزید بڑھاتے ہیں۔ شاعر دریا کے کنارے، ملاحوں کے گیت، بارش کی راتیں اور دیہاتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو یاد کرتا ہے۔ اس میں ایک مسلسل اداسی اور کھوئے ہوئے وقت کا احساس نمایاں ہے۔

بند21:

اس بند میں شاعر اپنے بچپن کے مدرسے، کھیلوں اور دوستوں کو یاد کرتا ہے۔ یہ بند ماضی کی معصومیت اور سادگی کی یاد دلاتا ہے۔

بند22:

یہاں شاعر ذاتی جذبات کا اظہار کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا کوئی اسے یاد بھی کرتا ہے۔ یہ بند نظم کا سب سے زیادہ جذباتی حصہ ہے جہاں ذاتی تنہائی اور محبت کی طلب ظاہر ہوتی ہے۔

بند23 تا25:

ان بندوں میں شاعر اس خوف کا اظہار کرتا ہے کہ کہیں وہ اپنے وطن کی یادیں بھول نہ جائے۔ گاؤں، ساون، راتیں اور دیہاتی لڑکیوں کے گیت سب اس کے دل میں زندہ ہیں۔ یہ بند یاد اور فراموشی کے درمیان کشمکش کو ظاہر کرتے ہیں۔

بند26 تا28:

یہ بند دیہاتی زندگی کے مزید مناظر پیش کرتے ہیں جیسے چرواہے، بانسری، چکی کی آواز اور بچھڑی ہوئی سہیلیوں کے گیت۔ یہ سب عناصر ایک سادہ مگر خوبصورت زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

بند29:

شاعر پرانے کھنڈروں اور اجڑی ہوئی عمارتوں کا ذکر کرتا ہے۔ یہاں تاریخ، زوال اور عبرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ ماضی کی عظمت اب ویرانی میں بدل چکی ہے۔

بند30:

اس بند میں شاعر اپنے محبوب یا کسی عزیز کا ذکر کرتا ہے اور اس کے حال کے بارے میں پوچھتا ہے۔ یہ ذاتی محبت اور جذباتی وابستگی کا اظہار ہے۔

بند31 تا آخری بند:

آخری بندوں میں شاعر اپنے محبوب کی خوبصورتی اور اس کی زندگی کے حالات کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ کہاں ہے، کیسی ہے اور اس کی زندگی کس حال میں ہے۔ یہاں نظم اپنے عروج پر پہنچتی ہے اور شاعر کے دل کی بے قراری پوری شدت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

نتیجہ:

اختر شیرانی نے نہایت سادہ مگر دلکش انداز میں ایسی تصویریں پیش کی ہیں جو قاری کے دل میں گھر کر جاتی ہیں۔ نظم کی سب سے بڑی خوبی اس کی تصویریت، سادگی، موسیقیت اور جذبات کی سچائی ہے، جو اسے اردو کی بہترین رومانوی نظموں میں شامل کرتی ہے۔

1.2.4 منتخبہ غزل کا مجموعی تاثر

اختر شیرانی کی یہ نظم اپنے اندر ایک گہرا جذباتی اور تہذیبی کرب سموئے ہوئے ہے۔ اس نظم کا سب سے نمایاں تاثر وطن سے جدائی کا درد، ماضی کی حسین یادوں کی کسک اور فطرت و تہذیب سے گہری وابستگی ہے۔ شاعر ایک ایسے شخص کی حیثیت سے سامنے آتا ہے جو اپنے وطن سے دور ہے اور اس دوری نے اس کے دل میں ایک مستقل بے چینی اور اداسی پیدا کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک آنے والے مسافر سے بار بار سوالات کرتا ہے؛ اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ نظم محض سوالات کا مجموعہ نہیں بلکہ یاد، محبت، فطرت، وطن اور ماضی کے حسین لمحوں کا ایک جذباتی مرقع ہے۔

نظم کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ وطن صرف ایک جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ یادوں، رشتوں، تہذیب، فطرت اور جذبات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ شاعر کے لیے اس کا وطن ایک جنت کی مانند ہے جہاں کی ہر چیز؛ چاہے وہ فطری مناظر ہوں، دیہاتی زندگی کے سادہ رسم و رواج ہوں یا بچپن کی

یادیں وغیرہ سب کچھ بے حد قیمتی ہے۔ جب وہ ان سب چیزوں سے دور ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے، جو اسے ہر لمحہ ماضی کی طرف کھینچتا ہے۔

اس نظم میں یاد (Nostalgia) ایک مرکزی عنصر کے طور پر موجود ہے۔ شاعر اپنے بچپن، دوستوں، کھیلوں، گاؤں کے مناظر، برسات کی خوشبو، پنگھٹ کی رونق اور محبت کے لمحات کو شدت سے یاد کرتا ہے۔ یہ یادیں اس کے لیے سکون کا ذریعہ بھی ہیں اور درد کا سبب بھی۔ سکون اس لیے کہ وہ ان حسین لمحوں کو ذہن میں تازہ رکھتا ہے، اور درد اس لیے کہ وہ ان سے محروم ہو چکا ہے۔ نظم کا ایک اہم پہلو فطرت نگاری ہے۔ شاعر نے فطرت کے مختلف مظاہر جیسے بارش، بادل، دریا، پہاڑ، پھول، چاندنی راتیں اور ہواؤں کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ قاری کے سامنے ایک جیتی جاگتی تصویر ابھر آتی ہے۔ یہ فطرت دراصل شاعر کے جذبات کی ترجمان بن جاتی ہے؛ جتنا حسین فطرت کا منظر ہے، اتنی ہی گہری شاعر کی یاد اور حسرت ہے۔

اس نظم میں معاشرتی اور تہذیبی زندگی کی جھلک بھی نمایاں ہے۔ پنگھٹ، میلوں، چرواہوں، بانسری، جھولوں اور دیہاتی لڑکیوں کے گیتوں کا ذکر ایک مکمل ثقافتی تصویر پیش کرتا ہے۔ شاعر ان سب چیزوں کے ذریعے یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس کا وطن صرف قدرتی حسن ہی نہیں بلکہ ایک زندہ تہذیب کا بھی حامل تھا۔

ایک اور اہم پیغام مذہبی ہم آہنگی کا ہے، جہاں مندر کی گھنٹی اور مسجد کی اذان دونوں کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے۔ اس سے شاعر کے وطن کی مشترکہ تہذیب اور رواداری کا اندازہ ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر اس نظم کا پیغام یہ ہے کہ وطن انسان کی شناخت اور جذبات کا اہم حصہ ہوتا ہے۔ ماضی کی یادیں انسان کے دل میں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ فطرت اور سادہ زندگی انسان کے لیے حقیقی سکون کا ذریعہ ہیں اور جدائی انسان کو اپنے ماضی اور رشتوں کی قدر سکھاتی ہے۔ بلاشبہ یہ نظم قاری کے دل میں ایک نرم سی اداسی اور اپنے وطن و ماضی سے محبت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

ایک جملے میں جواب دیجیے۔

1۔ 'اودیس سے آنے والے بتا' نظم کا بنیادی موضوع کیا ہے؟

2۔ 'اودیس سے آنے والے بتا' نظم میں شاعر کس سے مخاطب ہے؟

3۔ 'البیلی صبح' میں صبح کو کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟

4۔ جوش ملیح آبادی کی نظم 'البیلی صبح' کا مرکزی خیال کیا ہے؟

5۔ دونوں نظموں میں مشترک عنصر کیا ہے؟

1.2.5 منتخب نظم II البیلی صبح

نظر جھکائے عروس فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں افق کی لو تھرتھرا رہی ہے
روش روش نغمۂ طرب ہے چمن چمن جشن رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں کلی کلی گنگنا رہی ہے
ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگار مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

طیور بزم سحر کے مطرب لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیم فردوس کی سہیلی گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے
کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی پری مسکرا رہی ہے
سحر کو مد نظر ہیں کتنی رعایتیں چشم خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی لہو میں سرخی بڑھا رہی ہے
شلوکا پہنے ہوئے گلابی ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلو سکھا رہی ہے
فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے
کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر چٹکتی کلیو ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رو میں یہ کسی کی آواز آ رہی ہے

1.2.6 جوش ملیح آبادی کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات

اردو شاعری کی تاریخ میں جوش ملیح آبادی ایک ایسے عظیم شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں جنہوں نے اپنی فکر، فن اور اسلوب کے ذریعے نظم نگاری کو نئی جہت عطا کی۔ انہیں بجا طور پر 'شاعرِ انقلاب' کہا جاتا ہے، لیکن ان کی شاعری صرف انقلاب تک محدود نہیں بلکہ اس میں فطرت، حسن و عشق، انسانی جذبات، تہذیب اور زندگی کے بے شمار رنگ شامل ہیں۔ جوش کی نظموں کی بنیادی خصوصیات کو مختلف پہلوؤں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

جوش ملیح آبادی کی نظموں کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا انقلابی اور باغیانہ اسلوب ہے۔ انہوں نے برطانوی استعمار کے ظلم و جبر کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس کے خلاف بھرپور آواز بھی بلند کی۔ ان کی شاعری میں ایک شدید احتجاج، بغاوت اور تبدیلی کی خواہش نظر آتی ہے۔ وہ مظلوموں، کسانوں اور مزدوروں کے حق میں کھڑے ہوتے ہیں اور ظالم قوتوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں جوش، ولولہ اور حرارت اس قدر زیادہ ہے کہ قاری بھی اس جذبے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مثلاً 'ترانۂ آزادی' اور 'کسان' جیسی نظمیں ان کے انقلابی شعور کی بہترین مثالیں ہیں۔

جوش کی نظموں میں فطرت نگاری ایک اہم اور نمایاں پہلو ہے۔ انہوں نے قدرتی مناظر کو نہایت خوبصورتی اور جانداری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کی فطرت نگاری محض منظر کشی نہیں بلکہ جذبات کی عکاسی بھی ہے۔ ان کی نظموں میں صبح، شام، بارش، چاندنی، بادل اور بہار کے مناظر اس طرح بیان ہوتے ہیں کہ قاری کے سامنے ایک جیتی جاگتی تصویر بن جاتی ہے۔ 'لیلیٰ صبح' جیسی نظمیں اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

جوش ملیح آبادی کی نظموں میں حسن و عشق کا عنصر بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے یہاں عشق محض جذباتی نہیں بلکہ زندگی کی ایک توانائی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ حسن کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں اور اس کی دلکش تصویریں پیش کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں جوانی، حسن، محبت اور جذبات کی شدت کا اظہار نہایت پراثر انداز میں ملتا ہے۔

جوش ملیح آبادی کی سب سے بڑی فنی خصوصیت ان کی زبان پر گرفت ہے۔ ان کے پاس الفاظ کا بے حد وسیع ذخیرہ تھا اور وہ موقع و محل کے مطابق الفاظ کا بہترین انتخاب کرتے تھے۔ ان کی زبان شکوہ، جلال، روانی اور دلکشی سے بھرپور ہوتی ہے۔

جوش کی نظموں میں لب و لہجے کا تنوع بھی ایک اہم خصوصیت ہے۔سیاسی اور انقلابی نظموں میں ان کا لہجہ بلند، پرجوش اور خطیبانہ ہوتا ہے۔غیر سیاسی یا رومانوی نظموں میں ان کا انداز نرم،لطیف اور دھیما ہو جاتا ہے۔یہ تبدیلی اس بات کی دلیل ہے کہ جوش نہ صرف ایک بڑے شاعر تھے بلکہ موضوع کے مطابق اپنے اسلوب کو بدلنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

جوش کی نظموں میں تشبیہات، استعارات، علامتیں اور دیگر شعری وسائل کا استعمال نہایت فنکارانہ ہے۔ان کی تشبیہات میں تازگی اور ندرت پائی جاتی ہے، جبکہ استعارات میں گہرائی اور معنویت ہوتی ہے۔یہی وسائل ان کی شاعری کو حسن، اثر انگیزی اور وسعت عطا کرتے ہیں۔ان کے ہاں الفاظ صرف معنی ادا نہیں کرتے بلکہ ایک مکمل فضا اور کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

جوش ملیح آبادی کی نظموں کا ایک اور اہم پہلو موضوعات کی وسعت ہے۔انہوں نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنی شاعری میں سمویا ہے۔ان کے ہاں سیاست، انقلاب، فطرت، عشق، نوجوانی، معاشرتی مسائل اور انسانی جذبات سبھی موضوعات موجود ہیں۔یہی وسعت انہیں ایک ہمہ جہت شاعر بناتی ہے۔الغرض جوش ملیح آبادی کی نظمیں اردو ادب کا ایک اہم سرمایہ ہے۔ان کی شاعری میں انقلاب کی آگ بھی ہے، فطرت کی دلکشی بھی، عشق کی لطافت بھی اور زبان کا جلال بھی۔انہوں نے اپنے منفرد اسلوب اور بلند آہنگ لہجے کے ذریعے اردو نظم کو نئی توانائی بخشی۔

1.2.7 منتخبہ نظم کی تشریح

جوش ملیح آبادی کی نظم 'لیلیٰ صبح' ایک خوبصورت فطری اور تصویری نظم ہے جس میں شاعر نے صبح کے منظر کو نہایت دلکش، رنگین اور جاندار انداز میں پیش کیا ہے۔یہ نظم بنیادی طور پر فطرت نگاری، رومانیت اور حسنِ بیان کی عمدہ مثال ہے۔اس کی ہیئت آزاد نظم کے قریب ہے، مگر اس میں شعری موسیقیت، قافیہ بندی اور روانی موجود ہے۔نظم کا مرکزی موضوع صبح کے وقت فطرت کا بیدار ہونا اور اس کے مختلف مناظر کی دلکش عکاسی ہے۔شاعر نے فطرت کو ایک حسین دلہن (عروسِ فطرت) کے روپ میں پیش کیا ہے، جس سے نظم میں رومانوی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

نظم کے آغاز میں شاعر صبح کے منظر کو ایک دلہن سے تشبیہ دیتا ہے۔فطرت کو عروس (دلہن) قرار دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ جیسے کوئی دلہن اپنے چہرے سے زلفیں ہٹاتی ہے، اسی طرح صبح آہستہ آہستہ پردہ اٹھا رہی ہے۔آسمان پر سحر کا تار الرزتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور افق پر روشنی پھیلنے کے ساتھ ایک ہلکی سی جنبش اور تھرتھراہٹ پیدا ہو رہی ہے۔اس سے صبح کے آغاز کی نرمی اور لطافت ظاہر ہوتی ہے۔

اگلے اشعار میں شاعر پورے باغ اور فطرت کو خوشی اور جشن کی کیفیت میں دکھاتا ہے۔ہر راستہ نغموں سے گونج رہا ہے، ہر باغ خوشبو اور رنگ سے مہک رہا ہے۔پرندے درختوں کی شاخوں پر بیٹھ کر گیت گا رہے ہیں اور کلیاں بھی گویا ان کے ساتھ ہم آواز ہو رہی ہیں۔یہاں شاعر نے فطرت کے ہر عنصر کو زندہ اور متحرک بنا دیا ہے۔

پھر شاعر صبح کے ستارے اور چاند کی روشنی کا ذکر کرتا ہے۔صبح کا ستارہ اپنی مدھم جھپکتی آنکھوں میں کہانیاں سموئے ہوئے ہے، جبکہ چاندنی کی نرم اور نشیلی روشنی ایک جادوئی اثر پیدا کر رہی ہے۔اس سے رات اور صبح کے درمیانی لمحے کی خوبصورتی واضح ہوتی ہے۔

اس کے بعد شاعر پرندوں کو 'بزمِ سحر کے مطرب' کہتا ہے، یعنی صبح کی محفل کے گانے والے۔شاخوں پر بیٹھے ہوئے پرندے خوشی سے گیت گا رہے ہیں اور ہلکی ہلکی ہوا پھولوں کو جھولا دے رہی ہے۔یہاں نسیم (ہوا) کو جنت کی سہیلی کہا گیا ہے، جو فطرت کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہی ہے۔

اگلے حصے میں شاعر ایک نہایت نازک اور حسین منظر پیش کرتا ہے۔بیلے کی کلی پر شبنم کا قطرہ اس طرح چمک رہا ہے جیسے کسی پری نے ہیرے کی کیل پہن رکھی ہو۔یہ تشبیہ جوش کے تخیل کی بلندی اور حسنِ بیان کی عمدہ مثال ہے، جس میں ایک چھوٹے سے منظر کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔

پھر شاعر صبح کی سرخی کو بیان کرتا ہے۔افق پر پھیلتی ہوئی سرخی کو ایسے دکھایا گیا ہے جیسے کسی کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہو یا ہوا اس سرخی کو

مزید گہرا کر رہی ہو۔اس میں ایک ہلکی سی شدت اور ڈرامائی کیفیت بھی شامل ہے، جو منظر کو زیادہ مؤثر بناتی ہے۔
اس کے بعد پھولوں کی پنکھڑیوں کو لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ہر پنکھڑی گویا گلابی لباس پہنے ہوئے ہے اور سرخ اوڑھنی کا پلو ہوا میں لہرا رہا ہے۔اس سے باغ کا منظر ایک دلہن کی طرح سجا ہوا محسوس ہوتا ہے، جو نظم کے ابتدائی تصور (عروسِ فطرت) کو مزید مضبوط کرتا ہے۔
اگلے اشعار میں آسمان کا منظر پیش کیا گیا ہے، جہاں ستارے چاند کے گرد اس طرح چھپ رہے ہیں جیسے کوئی نئی دلہن اپنے ماتھے سے زیور ہٹا رہی ہو۔ یہ تشبیہ بھی نہایت خوبصورت اور نسوانی لطافت سے بھرپور ہے، جو فطرت کو انسانی جذبات سے قریب کر دیتی ہے۔
نظم کے آخری حصے میں شاعر ایک ہلکی سی بے چینی اور تجسس پیدا کرتا ہے۔کلیوں کے چٹکنے کی آواز سن کر دل میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے، جیسے کوئی آواز آ رہی ہو۔ یہاں شاعر فطرت کی آوازوں کو انسانی احساسات سے جوڑتا ہے اور قاری کو ایک رازدارانہ اور لطیف فضا میں لے جاتا ہے۔

1.2.8 منتخبہ غزل کا مجموعی تاثر

جوش ملیح آبادی کی اس نظم کا مجموعی تاثر نہایت دلکش، تازہ، پرمسرت اور زندگی بخش ہے۔ پوری نظم میں ایک ایسی فضا قائم ہوتی ہے جس میں نرمی، لطافت، حسن اور حرکت یکجا نظر آتے ہیں۔شاعر نے صبح کے منظر کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری خود کو ایک خوشگوار، مہکتی اور روشن دنیا میں محسوس کرنے لگتا ہے۔نظم کا ہر مصرع ایک نئی تصویر سامنے لاتا ہے، اور یہ تصویریں مل کر ایک مکمل اور جیتی جاگتی دنیا تخلیق کرتی ہیں۔
اس نظم کا سب سے نمایاں تاثر فطرت کی بیداری اور اس کی رعنائی ہے۔ رات کی خاموشی کے بعد صبح کا آنا ایک نئی زندگی، نئی امید اور نئی توانائی کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔شاعر نے صبح کو ایک حسین دلہن کے روپ میں پیش کیا ہے، جس سے یہ تاثر مزید گہرا ہو جاتا ہے کہ فطرت ہر روز ایک نئی تازگی اور حسن کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔اس طرح نظم قاری کے دل میں حسنِ فطرت کی قدر اور اس سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔نظم کا ایک اہم پہلو مسرت اور جشن کا احساس ہے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ، پھولوں کی مہک، ہوا کی نرمی اور روشنی کی لطافت؛ یہ سب مل کر ایک ایسی فضا پیدا کرتے ہیں جو زندگی کی خوشیوں اور خوبصورتی کا احساس دلاتی ہے۔اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ فطرت خود ایک جشن کی مانند ہے، جس میں ہر شے اپنی اپنی دھن میں مگن ہے۔
اس نظم کا پیغام یہ ہے کہ فطرت حسن اور زندگی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے؛ انسان کو چاہیے کہ وہ اس کے قریب رہے اور اس سے لطف اندوز ہو۔ ہر صبح ایک نئی شروعات کی علامت ہے؛ مایوسی اور تاریکی کے بعد روشنی اور امید ضرور آتی ہے۔زندگی میں حسن کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت ضروری ہے؛ جو شخص فطرت کے حسن کو پہچان لیتا ہے، اس کی زندگی زیادہ خوشگوار ہو جاتی ہے۔مزید گہرائی میں دیکھیں تو نظم یہ بھی سکھاتی ہے کہ کائنات کی ہر شے ایک ہم آہنگ نظام کا حصہ ہے۔ پرندے، پھول، ہوا، روشنی؛ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور مل کر ایک خوبصورت منظر تخلیق کرتے ہیں۔ یہ ہم آہنگی انسان کو بھی زندگی میں توازن اور حسن پیدا کرنے کا درس دیتی ہے۔

3.2.9 علم بدیع

اس اکائی میں شامل دونوں نظمیں نہ صرف اپنے موضوع، جذبے اور فنی حسن کے اعتبار سے اہم ہیں بلکہ صنائعِ لفظی و معنوی (علمِ بدیع) کے دلکش استعمال کی وجہ سے بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ان نظموں کے مطالعے سے طلبہ یہ بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ شاعر محض خیالات بیان نہیں کرتا بلکہ انہیں خوبصورت بنانے کے لیے مختلف بدیعی صنعتوں سے کام لے کر اپنے کلام میں تاثیر، نغمگی اور حسن پیدا کرتا ہے۔
علمِ بدیع کی اہم صنعتیں اور ان کی مثالیں
تکرار:
دونوں نظموں میں سب سے نمایاں صنعت تکرار ہے۔'او دیس سے آنے والے بتا' میں ہر بند کے اختتام پر یہی مصرع دہرایا گیا ہے۔ یہ

تکرار محض لفظی نہیں بلکہ جذباتی ہے، جو شاعر کی بے قراری، اشتیاق اور وطن سے گہری وابستگی کو شدت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔اسی طرح 'البیلی صبح' میں 'چمن چمن'، 'کلی کلی'، 'روش روش' جیسی تراکیب تکرارِ لفظی کی بہترین مثالیں ہیں۔اس سے نظم میں موسیقیت، روانی اور ایک خاص نغمگی پیدا ہوتی ہے، جو قاری کو متاثر کرتی ہے۔

مراعات النظیر :

مراعات النظیر یعنی ہم جنس یا ہم معنی الفاظ کو ایک ساتھ لانا، دونوں نظموں میں نہایت خوبصورتی سے استعمال ہوا ہے۔'اودیس سے آنے والے بتا' میں گاؤں، پنگھٹ، دریا، چرواہے، برکھا، باغ وغیرہ سب دیہی زندگی اور فطرت کے عناصر ہیں، جو ایک ہی فضا کو قائم کرتے ہیں۔اسی طرح 'البیلی صبح' میں چمن، کلی، شبنم، نسیم، پرندے، افق وغیرہ فطری مناظر سے متعلق ہیں۔اس صنعت سے نظم میں ہم آہنگی، ربط اور فنی حسن پیدا ہوتا ہے۔

تضاد:

تضاد کے ذریعے متضاد کیفیات یا خیالات کو ایک ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔'اودیس سے آنے والے بتا' میں ماضی کی خوشگوار یادوں اور حال کی محرومیوں کے درمیان واضح تضاد پایا جاتا ہے۔اسی طرح دن اور رات، خوشی اور غم، قربت اور جدائی جیسے تصورات نظم کے جذباتی اثر کو گہرا کرتے ہیں۔

حسنِ تعلیل:

حسنِ تعلیل میں کسی بات کی خیالی اور دلکش وجہ بیان کی جاتی ہے۔'البیلی صبح' میں فطرت کے مناظر اس انداز سے بیان ہوئے ہیں جیسے سب کچھ کسی جشن کی تیاری کر رہا ہو۔حقیقت میں یہ شاعر کی تخیل آرائی ہے، جو فطرت کو جاندار اور خوش باش بنا دیتی ہے۔

مبالغہ:

مبالغہ یعنی کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا بھی ان نظموں میں ملتا ہے۔خصوصاً 'اودیس سے آنے والے بتا' میں وطن کی یاد، بچپن کی خوشیاں اور فطرت کے مناظر اس شدت سے بیان کیے گئے ہیں کہ وہ غیر معمولی محسوس ہوتے ہیں، جس سے جذبات کی گہرائی ظاہر ہوتی ہے۔

تشبیہ واستعارہ کا تعلق علم بیان سے ہے البتہ ان نظموں میں ان کا بہت خوبصورت استعمال ملتا ہے۔طلبہ جانتے ہیں کہ تشبیہ کے ذریعے شاعر ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا کر اس کی خوبصورتی کو بڑھاتا ہے۔'البیلی صبح' میں صبح کو 'عروسِ فطرت' یعنی دلہن سے تشبیہ دی گئی ہے، جو نہایت بلیغ اور جاندار ہے۔اسی طرح شبنم کے قطروں کو موتیوں سے تشبیہ دینا اور آسمانی مناظر کو دلہن کی آرائش سے جوڑنا شاعر کی تخیل آرائی کو ظاہر کرتا ہے۔یہ تشبیہات نظم کو تصویری حسن عطا کرتی ہیں۔اسی طرح طلبہ نے استعارہ کے بارے میں بھی پڑھا ہے۔استعارہ میں کسی چیز کو براہِ راست دوسری چیز قرار دیا جاتا ہے۔'عروسِ فطرت' خود ایک استعارہ ہے جہاں صبح کو دلہن کہا گیا ہے۔اسی طرح 'اودیس سے آنے والے بتا' میں وطن کو 'فردوس' کہنا ایک خوبصورت استعارہ ہے، جو وطن کی اہمیت اور محبت کو اجاگر کرتا ہے۔ان تمام بدیعی صنعتوں کے استعمال سے دونوں نظموں کا فنی حسن کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ 'اودیس سے آنے والے بتا' میں شاعر ۔۔۔۔۔۔کی یاد میں سوالات کرتا ہے۔

2۔ اختر شیرانی کی منتخبہ نظم میں ۔۔۔۔۔۔اور ۔۔۔۔۔۔کے مناظر کا ذکر بار بار آتا ہے۔

3۔ 'البیلی صبح' میں صبح کو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہا گیا ہے۔

4۔ 'البیلی صبح' میں پرندوں کو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہا گیا ہے۔

5۔ دونوں نظموں میں ۔۔۔۔۔۔اور ۔۔۔۔۔۔کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔

3.3 الفاظ و معنی

الفاظ	معنی
آوارۂ غربت	وطن سے دور بھٹکنے والا
کنعان	حضرت یوسف کا وطن، یہاں بطور استعارہ وطن
فردوس	جنت
سرو	لمبا اور خوبصورت درخت
ریحان	خوشبودار پودا
شفق	غروب آفتاب کے وقت آسمان کی سرخی
شگوفہ	پھول کی کلی
گلزار	پھولوں کا باغ
مالن	پھول بیچنے والی عورت
طرحدار	ناز و ادا والا، سج دھج والا
ترکان	ترک لوگ (یہاں خوبصورت یا جنگجو افراد کے لیے)
ناقوس	گھنٹی (مندر کی)
پنہاریاں	پانی بھرنے والی دیہاتی عورتیں
گاگر	مٹی یا دھات کا پانی رکھنے کا برتن
چہلیں	ہنسی مذاق اور خوش گپیوں کی باتیں
برکھا	بارش
افق	آسمان کا کنارہ
مہتاب	چاندنی
پپیہا	ایک پرندہ جو برسات میں بولتا ہے
حریری	ریشمی، نرم
ماہ وش	چاند جیسی خوبصورت
گجردم	صبح کا وقت
ریوڑ	مویشیوں کا جھنڈ
گھاٹ	دریا کے کنارے اترنے کی جگہ
کھنڈر	پرانی ٹوٹی ہوئی عمارت
غارتِ ایماں	ایمان کو تباہ کرنے والی چیز (یہاں محبوبہ کی شوخی)
شمعِ شبستاں	محفل یا کمرے کی روشنی (محبوب)
غنچہ دہن	کلی جیسے ہونٹوں والا
سیم بدن	چاندی جیسے جسم والا (خوبصورت جسم)

گلرنگ	پھول جیسا سرخ رنگ
شہابی عارض	چمکتے ہوئے رخسار
گیسوئے سیہ	سیاہ بال
بحرِ شفق	سرخی مائل سمندر (استعارہ)
دوشیزہ	کنواری لڑکی
عروسِ فطرت	فطرت کی دلہن (صبح کو دلہن سے تشبیہ دی گئی ہے)
جبیں	پیشانی
زلفیں	بال، گیسو
سحر	صبح صادق، دن کا ابتدائی وقت
افق	آسمان اور زمین کے ملنے کی فرضی لکیر
طرب	خوشی، مسرت
طیور	پرندے
نگار	خوبصورت، حسین
مہتاب	چاندنی، چاند کی روشنی
مطرب	گانے والا، موسیقار
چشمِ خوں فشاں	خون بہانے والی آنکھ (سرخی لیے ہوئے منظر)
بیاباں	جنگل، ویرانہ
رعایتیں	مہربانیاں، نرمی کے انداز
شلوکا	باریک لباس یا ہلکا سا پردہ (یہاں پھول کی نرمی و نزاکت کی طرف اشارہ)
سبک	ہلکا، نازک
پنکھڑی	پھول کا نازک حصہ
ہلال	چاند کا باریک ٹکڑا (پہلا یا آخری چاند)
افشاں	چمکدار ذرات یا جھلملاتی چیز (عام طور پر سجاوٹ کے لیے)

3.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات

I

1۔ وطن کی یاد اور ہجرت کا درد۔
2۔ وطن سے آنے والے مسافر سے۔
3۔ دلہن (عروسِ فطرت) سے۔
4۔ فطرت کی خوبصورتی اور صبح کی تازگی۔
5۔ جذبات کی شدت اور فطرت کی عکاسی۔

II

1۔ وطن
2۔ گاؤں، فطرت
3۔ عروسِ فطرت
4۔ مطرب
5۔ فطرت، جذبات

3.5 خلاصہ

اس اکائی میں دو اہم نظمیں شامل ہیں: 'او دیس سے آنے والے بتا' از اختر شیرانی اور 'الیلی صبح' از جوش ملیح آبادی۔ دونوں نظموں میں فطرت اور انسانی جذبات کی نہایت دلکش اور اثر انگیز عکاسی کی گئی ہے، تاہم دونوں کا زاویۂ نظر مختلف ہے۔

'او دیس سے آنے والے بتا' ایک رومانی اور جذباتی نظم ہے جس میں شاعر ہجرت کے کرب اور وطن کی یاد کو بڑے موثر انداز میں پیش کرتا ہے۔ شاعر ایک آنے والے مسافر سے اپنے وطن کے حالات پوچھتا ہے اور اپنے ماضی کی یادوں، گاؤں کی سادگی، فطری مناظر، بچپن کے کھیل، محبتوں اور رشتوں کو یاد کرتا ہے۔ اس نظم میں درد، حسرت اور یادوں کی کسک نمایاں ہے۔

اس کے برعکس 'الیلی صبح' فطرت کی منظر کشی پر مبنی ایک خوبصورت نظم ہے جس میں صبح کے حسین مناظر کو نہایت خوبصورت تشبیہوں اور استعارات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ شاعر نے صبح کو ایک دلہن سے تشبیہ دے کر اس کی تازگی، شادابی اور دلکشی کو اجاگر کیا ہے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ، پھولوں کی مہک، شبنم کے قطرے اور نرم ہوا کے جھونکے اس نظم کو ایک جاندار اور دلکش منظر میں بدل دیتے ہیں۔ یہ دونوں نظمیں نہ صرف یہ کہ اردو زبان و ادب کا اہم ترین سرمایہ ہیں بلکہ ان کے تخلیق کاروں کی قدرت شعر گوئی کی بھی شاہد ہیں۔

3.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں:

صنعت پہچانیے

(صرف نام لکھیں: تکرار، تشبیہ، مراعات النظیر، استعارہ)

1۔ او دیس سے آنے والے بتا
او دیس سے آنے والے بتا
2۔ عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
3۔ چمن چمن جشن رنگ و بو ہے
4۔ وہ باغ وطن فردوس وطن

خالی جگہ پُر کیجیے

1۔ کسی ایک لفظ یا فقرے کی بار بار تکرار کو _____ کہتے ہیں۔
2۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے ''جیسے'' یا '' کی طرح'' کہہ کر بیان کرنا _____ کہلاتا ہے۔

3۔ہم معنی یا ہم جنس الفاظ کو ایک ساتھ لانے کو _____ کہتے ہیں۔
4۔کسی چیز کو براہِ راست دوسری چیز قرار دینا _____ کہلاتا ہے۔

آسان تشریحی سوالات

(دو تین سطروں میں جواب دیں)

1۔''اودیس سے آنے والے بتا'' میں تکرار سے کیا اثر پیدا ہوا ہے؟
2۔''البیلی صبح'' میں صبح کو دلہن سے تشبیہ دینے کا مقصد کیا ہے؟
3۔''چمن چمن، کلی کلی'' جیسے الفاظ سے نظم میں کیا کیفیت پیدا ہوتی ہے؟
4۔''فردوس وطن'' کہنے سے شاعر کا جذبہ کیسے ظاہر ہوتا ہے؟

خود مثال بنائیے

1۔تکرار کی ایک سادہ مثال خود لکھیں۔
2۔تشبیہ کی ایک مثال خود لکھیں۔
3۔استعارہ کی ایک مثال خود لکھیں۔

مختصر سرگرمی (کلاس ڈسکشن کے لیے)

دونوں نظموں میں آپ کو فطرت نگاری زیادہ مؤثر لگی یا جذبات نگاری؟ صرف ایک وجہ بیان کریں۔

کام کا تجربہ:

اردو سے ہندی میں ترجمہ کیجیے:

1۔یہ نظم وطن کی یاد کو بیان کرتی ہے۔
2۔شاعر فطرت کی خوبصورتی کو بیان کرتا ہے۔
3۔صبح کا منظر نہایت دلکش ہے۔
4۔شاعر اپنے وطن کو یاد کرتا ہے۔
5۔پرندے خوشی کے گیت گا رہے ہیں۔
6۔باغ میں پھول کھل رہے ہیں۔
7۔ہوا نرم اور خوشگوار ہے۔
8۔شاعر کو اپنے بچپن کی یاد آتی ہے۔
9۔نظم میں فطرت کی عکاسی کی گئی ہے۔
10۔یہ نظمیں بہت دلکش ہیں۔

3.7 مشقی سوالات

1۔اختر شیرانی کی نظم 'اودیس سے آنے والے بتا' کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔
2۔'البیلی صبح' میں فطرت نگاری کے عناصر کی وضاحت کیجیے۔
3۔دونوں نظموں میں استعمال ہونے والی بدیعی صنعتوں پر روشنی ڈالیے۔
4۔'اودیس سے آنے والے بتا' میں وطن کی محبت کس طرح ظاہر ہوئی ہے؟
5۔'البیلی صبح' کی زبان و بیان پر تبصرہ کیجیے۔

3.8 مزید مطالعے کے لیے کتب

1 مطالعہ اختر شیرانی تلاش و تجزیہ، مختار ٹونکی
2 جوش ملیح آبادی شخصیت اور فن، ظفر محمود
3 جوش ملیح آبادی: تنقیدی جائزہ، خلیق انجم
4 جدید اردو نظم۔نظریہ اور عمل، عقیل احمد صدیقی
5 اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی
6 اردو نظم: فن، ارتقائی تسلسل اور منتخب تجزیے، راشد انور راشد

اکائی 4 : فیض احمد فیض اور اختر الایمان

ساخت

4.0 مقاصد

4.1 تمہید

4.2 موضوع کی وضاحت

4.2.1 نظم 1 مجھ سے پہلی سی محبت...

4.2.2 فیض کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات

4.2.3 نظم کی تشریح

4.2.4 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

4.2.5 نظم II ایک لڑکا

4.2.6 اختر الایمان کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات

4.2.7 نظم کی تشریح

4.2.8 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

4.3 الفاظ اور معنی

4.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات I

خود اکتسابی سوالات کے جوابات II

4.5 خلاصہ

4.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں

کام کا تجربہ

4.7 مشقی سوالات

4.8 مزید مطالعے کے لیے کتب

4.0 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔

1۔ فیض احمد فیض اور اختر الایمان کی ادبی و شعری خدمات سے واقف ہو سکیں گے۔

2۔ دونوں نظموں کے موضوع، اسلوب اور فکری جہات کو سمجھ سکیں گے۔

3۔ نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت'' میں عشقِ مجازی سے عشقِ انسانی کے سفر کو سمجھ سکیں گے۔

4۔ نظم ''ایک لڑکا'' میں جدید انسان کی تنہائی، بے چینی اور داخلی کرب کا ادراک حاصل کر سکیں گے۔

5۔نظموں کے مشکل الفاظ، تراکیب اور محاورات کے معانی سمجھ سکیں گے۔

4.1 تمہید

فیض احمد فیض اردو کے عظیم شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ بیسویں صدی کے ان ممتاز نظم نگاروں میں شامل ہیں جنھوں نے اردو شاعری کو نئی فکری وسعت، جدید شعور اور انسان دوستی کا پیغام عطا کیا۔ ان کی شاعری میں محبت، انقلاب، انسانی ہمدردی، آزادی، ظلم کے خلاف احتجاج اور سماجی انصاف جیسے موضوعات نہایت خوبصورتی سے پیش ہوئے ہیں۔ فیض ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے، لیکن ان کی شاعری محض نظریاتی نعروں تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں اعلیٰ ادبی جمالیات، نرم لہجہ، دل کش امیجری اور گہری اثر آفرینی بھی موجود ہے۔ ان کے کلام میں رومان اور انقلاب ایک دوسرے سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

فیض احمد فیض 13 فروری 1911ء کو ضلع سیالکوٹ کے قصبہ کالا قادر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سلطان محمد خاں ایک ممتاز قانون داں، دانشور اور علم دوست شخصیت تھے۔ ان کی والدہ سلطان فاطمہ نہایت مذہبی اور باوقار خاتون تھیں۔ فیض کو بچپن ہی سے علمی اور ادبی ماحول میسر آیا۔ ان کے والد کے تعلقات علامہ اقبال، سر عبدالقادر اور سید سلیمان ندوی جیسی عظیم شخصیات سے تھے، جس کا اثر فیض کی فکری اور ادبی تربیت پر بھی پڑا۔

فیض نے ابتدائی تعلیم عربی اور فارسی سے شروع کی۔ بعد ازاں اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ سے میٹرک اور مرے کالج سیالکوٹ سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی میں ایم اے اور اورینٹل کالج لاہور سے عربی میں ایم اے کیا۔ طالب علمی کے زمانے ہی میں ان کا ادبی ذوق نکھرنے لگا تھا۔ ان کے اساتذہ میں مولوی میر حسن، احمد شاہ بخاری پطرس، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم اور مولانا چراغ حسن حسرت جیسی عظیم شخصیات شامل تھیں۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد فیض نے تدریس کے شعبے سے وابستگی اختیار کی اور ایم اے او کالج امرتسر اور ہیلے کالج لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد میں وہ فوج کے شعبۂ تعلقات عامہ سے وابستہ ہوئے اور میجر کے عہدے تک پہنچے۔ تقسیمِ ہند کے بعد انہوں نے فوج سے استعفیٰ دے دیا اور صحافت کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ''پاکستان ٹائمز'' کے مدیر بھی رہے۔ 1951ء میں ''راولپنڈی سازش کیس'' میں گرفتار ہوئے اور کئی برس قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسی اسیری کے زمانے میں ان کی شاعری میں مزید گہرائی اور اثر پیدا ہوا۔

فیض کی ازدواجی زندگی بھی نہایت خوشگوار رہی۔ انہوں نے ایک انگریز خاتون ایلس جارج سے شادی کی جن کا اسلامی نام کلثوم رکھا گیا۔ ان کی دو بیٹیاں، سلیمہ اور منیزہ، بعد میں علمی و ادبی حلقوں میں نمایاں ہوئیں۔ فیض نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا اور عالمی سطح پر بھی اپنی شناخت قائم کی۔ انہیں 1962ء میں سوویت یونین کی جانب سے ''لینن امن انعام'' سے نوازا گیا، جبکہ بعد میں حکومتِ پاکستان نے ''نشانِ امتیاز'' عطا کیا۔

فیض احمد فیض کی شاعری کے کئی مجموعے شائع ہوئے جن میں ''نقشِ فریادی''، ''دستِ صبا''، ''زنداں نامہ''، ''دستِ تہِ سنگ''، ''سرِ وادیِ سینا''، ''شامِ شہرِ یاراں'' اور ''مرے دل مرے مسافر'' خاص طور پر اہم ہیں۔ ان کے تمام شعری سرمایے کو ''نسخہ ہائے وفا'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ ان کی نثری تصانیف میں ''میزان''، ''متاعِ لوح و قلم'' اور ''مہ و سالِ آشنائی'' قابلِ ذکر ہیں۔

فیض احمد فیض 20 نومبر 1984ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن ان کی شاعری آج بھی ظلم کے خلاف آواز، محبت کا استعارہ اور انسانیت کی امید سمجھی جاتی ہے۔ اردو ادب میں ان کا مقام نہایت بلند اور منفرد ہے۔

اختر الایمان بیسویں صدی کے ان اہم نظم نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں جنھوں نے اردو نظم کو فکری اور فنی اعتبار سے نئی جہت عطا کی۔ ان کا اصل نام اختر حسین تھا، مگر ادبی دنیا میں اختر الایمان کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ 12 نومبر 1915 کو ضلع بجنور (اتر پردیش) کے علاقے نجیب آباد کے قریب پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن معاشی دشواریوں، مسلسل نقلِ مکانی اور غیر مستحکم حالات میں گزرا، جس کے اثرات

بعد میں ان کی شاعری میں گہرے انسانی کرب، تنہائی اور داخلی اضطراب کی صورت میں نمایاں ہوئے۔

اختر الایمان کی ابتدائی تعلیم مختلف مقامات پر ہوئی۔ ان کے والد مسجدوں میں امامت کرتے تھے، اس لیے انھیں بار بار جگہیں بدلنی پڑتیں۔ کبھی سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کی، کبھی مکتب میں قرآن حفظ کیا۔ بعد میں دہلی کے مدرسہ مؤیدالاسلام میں داخل ہوئے جہاں ان کے ادبی ذوق کی آبیاری ہوئی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انھوں نے شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا میں غزل کہی، لیکن جلد ہی نظم کی طرف متوجہ ہو گئے اور تمام عمر نظم ہی کو اپنا وسیلۂ اظہار بنائے رکھا۔

اختر الایمان نے ایسے دور میں شاعری شروع کی جب اردو ادب میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کے زیر اثر نئے ادبی رجحانات پیدا ہو رہے تھے۔ اگرچہ وہ ان تحریکوں سے متاثر ہوئے، مگر انھوں نے کسی مخصوص نظریاتی دائرے میں خود کو محدود نہیں کیا۔ ان کی شاعری زندگی کے حقیقی تجربات، انسان کی داخلی کشمکش، تہذیبی شکست و ریخت، تنہائی، بے معنویت اور جدید انسان کے مسائل کی عکاس ہے۔ ان کے یہاں جذباتیت کے بجائے فکر کی گہرائی اور تجربے کی صداقت ملتی ہے۔

اختر الایمان نے اردو نظم کو ایک نئی زبان اور اسلوب عطا کیا۔ انھوں نے شاعری میں روزمرہ زندگی کی زبان استعمال کی اور تصنع سے گریز کیا۔ ان کی نظموں میں مکالماتی انداز، کہانی پن اور ڈرامائی کیفیت نمایاں ہے۔ ان کی مشہور نظم 'ایک لڑکا' اردو نظم کی اہم تخلیقات میں شمار کی جاتی ہے، جس میں ماضی کی یاد، وقت کی تبدیلی اور انسانی احساسات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اختر الایمان نے کچھ عرصہ دہلی ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کی جہاں ان کی ملاقات ن۔م۔ راشد، میراجی، سعادت حسن منٹو اور کرشن چندر جیسی اہم ادبی شخصیات سے ہوئی۔ بعد میں وہ بمبئی چلے گئے اور فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے۔ انھوں نے متعدد کامیاب فلموں کے مکالمے اور منظر نامے تحریر کیے، جن میں وقت، قانون، گمراہ اور ہمراز خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اختر الایمان کے شعری مجموعوں میں گرداب، سب رنگ، تاریک سیارہ، آبِ جو، یادیں، بنتِ لمحات، نیا آہنگ، سروساماں اور زمین زمین شامل ہیں۔ ان کی خودنوشت اس آباد خرابے میں بھی بہت اہم ادبی دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ انھیں ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، غالب ایوارڈ اور دیگر اعزازات سے نوازا گیا۔

4.2 موضوع کی وضاحت

4.2.1 نظم I مجھ سے پہلی سی محبت...

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخاب میں بنوائے ہوئے
جا بہ جا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجے
اب بھی دل کش ہے ترا حسن مگر کیا کیجے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

4.2.2 فیض کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات

فیض احمد فیض اردو نظم کے ان عظیم شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے بیسویں صدی کی شاعری کو نئی فکری اور فنی جہت عطا کی۔ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے، مگر ان کی شاعری محض سیاسی نعرہ بازی یا نظریاتی تبلیغ تک محدود نہیں رہی۔ انہوں نے غمِ عشق اور غمِ روزگار کو اس خوبصورتی سے یکجا کیا کہ ان کی شاعری جذبے، فکر اور فن کا حسین امتزاج بن گئی۔ ان کی نظم نگاری میں رومانیت، حقیقت پسندی، انسان دوستی، نرم لہجہ، علامتی اندازِ بیان اور جمالیاتی شعور نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

فیض کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت غمِ عشق اور غمِ روزگار کی آمیزش ہے۔ ان کے یہاں محبوب کی محبت بھی موجود ہے اور مظلوم انسانیت کا درد بھی۔ انہوں نے عشق کے محدود دائرے سے نکل کر انسانیت کے اجتماعی دکھوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ'' اس کی بہترین مثال ہے جہاں ذاتی محبت سماجی شعور میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

فیض ترقی پسند تحریک کے شاعر تھے، لیکن انہوں نے ترقی پسند شاعروں کی طرح بلند آہنگ نعرہ بازی اختیار نہیں کی۔ ان کا لہجہ نرم، دھیمہ اور شائستہ ہے۔ وہ براہِ راست اعلان کرنے کے بجائے اشاروں، کنایوں اور علامتوں میں بات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری وقتی سیاسی حالات سے آگے بڑھ کر دائمی ادبی حیثیت اختیار کر گئی۔

فیض کی شاعری میں جمالیاتی شعور بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے تلخ سیاسی اور سماجی حقائق کو بھی نہایت حسین اور دلکش پیرائے میں بیان کیا۔ ''یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر'' جیسی تراکیب ان کی فنی عظمت کی مثال ہیں۔ ان کے یہاں لفظیات، تشبیہات، استعارات اور علامتوں کا استعمال نہایت دلنشیں اور مؤثر ہے۔

ان کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت انسان دوستی اور ظلم کے خلاف احتجاج ہے۔ وہ محکوم اور مظلوم انسانوں کے شاعر ہیں۔ جبر، استحصال، قید و بند، جنگ اور آمریت کے خلاف ان کی نظموں میں شدید ردِعمل ملتا ہے، لیکن ان کا انداز ہمیشہ مہذب اور متوازن رہتا ہے۔ ''ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے'' جیسی نظمیں انسانی حریت اور قربانی کا استعارہ بن گئی ہیں۔

فیض کی نظموں میں فطرت نگاری بھی بڑی دلکش ہے۔ چاند، ستارے، شام، صبح، ہوا، گل، صبا اور بہار جیسے عناصر ان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے یہاں خارجی مناظر داخلی کیفیات سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری

میں موسیقیت، نغمگی اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

فنی اعتبار سے بھی فیض نہایت اہم شاعر ہیں۔ انہوں نے پابند، آزاد اور معریٰ نظم تینوں ہیئتوں میں کامیاب نظمیں لکھیں، اگرچہ معریٰ نظم ان کا پسندیدہ وسیلۂ اظہار رہی۔ ان کی زبان شستہ، رواں اور مترنم ہے۔ انہوں نے ثقیل اور نامانوس الفاظ سے گریز کیا اور کلاسیکی لفظیات کو نئے مفاہیم عطا کیے۔

مختصر یہ کہ فیض احمد فیض کی نظم نگاری فکر و فن کا حسین امتزاج ہے۔ انہوں نے محبت، انقلاب، انسان دوستی اور جمالیات کو اس دلنشیں انداز میں پیش کیا کہ وہ اردو نظم کے سب سے مقبول اور مؤثر شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

4.2.3 منتخبہ نظم کی تشریح

فیض احمد فیض کی یہ نظم اردو شاعری کی مقبول ترین اور نمائندہ نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ نظم ان کے پہلے شعری مجموعے نقشِ فریادی کے دوسرے حصے کی پہلی نظم ہے۔ اس اعتبار سے بھی اس نظم کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ نقشِ فریادی کو وہ مجموعہ تسلیم کیا جاتا ہے جس نے فیض کی ادبی شناخت کو غیر معمولی پختگی عطا کی۔ فیض کی شاعری میں جو تغزل اور احتجاج کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے، اس کا واضح آغاز اسی نظم سے ہوتا ہے۔ اس حصے کے آغاز میں فیض نے نظامی کا یہ فارسی قول درج کیا ہے: ''دل بفروختم، جان خریدم'' یعنی میں نے دل بیچ دیا اور روح خرید لی۔ یہ جملہ اس نظم کے بنیادی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شاعر ذاتی محبت کے محدود دائرے سے نکل کر انسانی درد اور اجتماعی شعور کی طرف سفر کرتا ہے۔

نظم کے ابتدائی اشعار میں شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر اپنے ماضی کے جذبات بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب اسے محسوس ہوتا تھا کہ محبوب ہی زندگی کی تمام روشنیوں اور خوشیوں کا مرکز ہے۔ محبوب کی موجودگی سے زندگی حسین معلوم ہوتی تھی اور اس کے غم کے مقابلے میں دنیا کے دوسرے غم بے حقیقت نظر آتے تھے۔ شاعر کے نزدیک محبوب کی خوبصورتی ہی دنیا کی بہاروں کی اصل وجہ تھی اور اس کی آنکھوں کے سوا دنیا میں کوئی شے قابلِ توجہ نہ تھی۔

اگلے اشعار میں شاعر اپنے اس رومانوی تصور کا اعتراف کرتا ہے کہ اگر محبوب مل جائے تو گویا تقدیر جھک جائے گی اور زندگی مکمل ہو جائے گی۔ لیکن اب اسے احساس ہوا ہے کہ یہ صرف ایک خواب تھا۔ زندگی محض عشق و محبت تک محدود نہیں بلکہ اس میں انسانیت کے بے شمار دکھ اور مسائل بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد نظم کا رخ سماجی حقیقتوں کی طرف مڑ جاتا ہے۔ شاعر انسانی معاشرے میں موجود ظلم، استحصال اور بے رحمی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ صدیوں سے قائم ظالمانہ نظام نے انسان کو ذلت اور محرومی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ عیش و عشرت کی چکاچوند کے پیچھے مظلوم انسانوں کا خون اور ان کی تباہ حال زندگیاں پوشیدہ ہیں۔ بازاروں میں جسموں کی خرید و فروخت ہو رہی ہے، انسان غربت، بیماری اور اذیت کا شکار ہیں، اور معاشرہ ظلم و جبر سے بھرا ہوا ہے۔

اگلے حصے میں شاعر کہتا ہے کہ ان دردناک مناظر کو دیکھنے کے بعد اب اس کی نگاہ صرف محبوب کے حسن تک محدود نہیں رہ سکتی۔ اگرچہ محبوب آج بھی حسین اور دلکش ہے اور اس کی محبت اب بھی دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے، لیکن اب شاعر انسانیت کے اجتماعی دکھوں سے غافل نہیں رہ سکتا۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ محبت کے علاوہ دنیا میں اور بھی بے شمار غم موجود ہیں۔

نظم کے اختتام پر شاعر محبوب سے کہتا ہے کہ اب وہ اس سے پہلے جیسی محبت کا مطالبہ نہ کرے، کیونکہ اس کا شعور بدل چکا ہے۔ اب اس کی محبت صرف ایک فرد تک محدود نہیں رہی بلکہ پوری انسانیت کے دکھ درد سے وابستہ ہو گئی ہے۔

یہ نظم دراصل عشقِ مجازی سے عشقِ انسانیت تک کے سفر کی علامت ہے۔ فیض احمد فیض نے اس نظم میں رومانیت اور حقیقت پسندی کو اس خوبصورتی سے یکجا کیا ہے کہ یہ اردو ادب کا ایک لازوال شاہکار بن گئی ہے۔

4.2.4 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

فیض احمد فیض کی یہ نظم اپنے مجموعی تاثر کے اعتبار سے عشق، انسان دوستی اور سماجی شعور کا حسین امتزاج ہے۔ نظم کا آغاز خالص رومانوی فضا سے ہوتا ہے جہاں شاعر محبوب کی محبت میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ نظم ایک وسیع انسانی اور سماجی شعور کی طرف بڑھتی ہے۔ یہی تدریجی ارتقا اس نظم کو محض عشقیہ نظم نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے انسانی ہمدردی اور اجتماعی احساس کی نمائندہ نظم بنا دیتا ہے۔

اس نظم کا سب سے گہرا تاثر یہ ہے کہ انسان صرف ذاتی محبت اور انفرادی خوشیوں میں محو ہو کر زندگی کی حقیقتوں سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ شاعر جب سماج میں پھیلے ہوئے ظلم، غربت، بیماری، استحصال اور انسانوں کی بے بسی کو دیکھتا ہے تو اس کی سوچ بدل جاتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا میں محبت کے علاوہ بھی بے شمار غم موجود ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح نظم قاری کے دل میں انسانی ہمدردی اور سماجی ذمہ داری کا احساس پیدا کرتی ہے۔

نظم کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں رومانیت اور حقیقت پسندی کے درمیان نہایت خوبصورت توازن قائم کیا گیا ہے۔ شاعر محبوب کے حسن اور محبت کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ اب زندگی کے اجتماعی دکھ اس کے شعور کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس لیے اس کی محبت پہلے جیسی یک رخی اور محدود نہیں رہ سکتی۔ یہی داخلی کشمکش نظم کو گہرائی اور اثر انگیزی عطا کرتی ہے۔

نظم کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ حقیقی انسان دوستی صرف ذاتی جذبات تک محدود نہیں ہوتی بلکہ انسان کو اپنے گرد و پیش کے مظلوم اور محروم انسانوں کے دکھ درد کو بھی محسوس کرنا چاہیے۔ شاعر فرد کی محبت سے آگے بڑھ کر پوری انسانیت کی محبت کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظم میں عشقِ مجازی رفتہ رفتہ عشقِ انسانیت میں تبدیل ہوتا نظر آتا ہے۔

فنی اعتبار سے بھی نظم نہایت مؤثر ہے۔ نرم اور مترنم لہجہ، دلکش تراکیب، جذبات کی شدت اور حقیقت نگاری نظم کے اثر کو دو چند کر دیتے ہیں۔ فیض احمد فیض نے نہایت خوبصورتی سے یہ باور کرایا ہے کہ شاعری صرف حسن و عشق کی ترجمان نہیں بلکہ انسانی دکھوں اور اجتماعی مسائل کی آئینہ دار بھی ہونی چاہیے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات I

ایک جملے میں جواب دیجیے۔

1۔ فیض احمد فیض کس ادبی تحریک سے وابستہ تھے؟

2۔ فیض کا پہلا شعری مجموعہ کون سا ہے؟

3۔ اختر الایمان اردو ادب میں کس حیثیت سے مشہور ہیں؟

4۔ ''مجھ سے پہلی سی محبت'' نظم کس شعری مجموعے میں شامل ہے؟

5۔ فیض کی منتخبہ نظم کا بنیادی موضوع عشق سے انسان دوستی کی طرف سفر ہے۔

4.2.5 منتخب نظم II ایک لڑکا

دیار شرق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں، کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں، کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کم سنوں کی رنگ رلیوں میں
سحر دم، جھٹپٹے کے وقت، راتوں کے اندھیرے میں

کبھی میلوں میں، ناٹک ٹولیوں میں، ان کے ڈیرے میں
تعاقب میں کبھی گم، تتلیوں کے، سونی راہوں میں
کبھی ننھے پرندوں کی نہفتہ خواب گاہوں میں
برہنہ پاؤں، جلتی ریت، یخ بستہ ہواؤں میں
گریزاں بستیوں سے، مدرسوں سے، خانقاہوں میں
کبھی کم سن حسینوں میں بہت خوش کام و دل رفتہ
کبھی پیچاں بگولہ ساں ،کبھی جیوں چشم خوں بستہ
ہوا میں تیرتا، خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا، مڑتا
مجھے اک لڑکا، آوارہ منش، آزاد سیلانی
مجھے اک لڑکا، جیسے تند چشموں کا، رواں پانی
نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے، جیسے یہ بلائے جاں
مرا ہم زاد ہے ،ہر گام پر، ہر موڑ پر جولاں
اسے ہم راہ پاتا ہوں، یہ سائے کی طرح میرا
تعاقب کر رہا ہے، جیسے میں مفرور ملزم ہوں
یہ مجھ سے پوچھتا ہے اخترالایمان تم ہی ہو؟
خدائے عز و جل کی نعمتوں کا معترف ہوں میں
مجھے اقرار ہے اس نے زمیں کو ایسے پھیلایا
کہ جیسے بستر ِکم خواب ہو، دیبا و مخمل ہو
مجھے اقرار ہے یہ خیمۂ افلاک کا سایہ
اسی کی بخششیں ہیں، اس نے سورج چاند تاروں کو
فضاؤں میں سنوارا ،اک حد فاصل مقرّر کی
چٹانیں چیر کر دریا نکالے خاک اسفل سے
مری تخلیق کی مجھ کو جہاں کی پاسبانی دی
سمندر موتیوں مونگوں سے ،کانیں لعل و گوہر سے
ہوائیں مست کن خوشبوؤں سے معمور کر دی ہیں
وہ حاکم قادر مطلق ہے، یکتا اور دانا ہے
اندھیرے کو اجالے سے جدا کرتا ہے، خود کو میں
اگر پہچانتا ہوں اس کی رحمت اور سخاوت ہے !
اسی نے خسروی دی ہے، لئیموں کو مجھے نکبت
اسی نے یاوہ گویوں کو مرا خازن بنایا ہے
تونگر ہرزہ کاروں کو کیا دریوزہ گر مجھ کو
مگر جب جب کسی کے سامنے دامن پسارا ہے
یہ لڑکا پوچھتا ہے اخترالایمان تم ہی ہو ؟

معیشت دوسروں کے ہاتھ میں ہے میرے قبضہ میں
جز اک ذہن رسا کچھ بھی نہیں، پھر بھی مگر مجھ کو
خروشِ عمر کے اتمام تک اک بار اُٹھانا ہے
عناصر منتشر ہو جانے، نبضیں ڈوب جانے تک
نوائے صبح ہو یا نالۂ شب کچھ بھی گانا ہے
ظفر مندوں کے آگے رزق کی تحصیل کی خاطر
کبھی اپنا ہی نغمہ ان کا کہہ کر مسکرانا ہے
وہ خامہ سوزی شب بیداریوں کا جو نتیجہ ہو
اسے اک کھوٹے سکّے کی طرح سب کو دکھانا ہے
کبھی جب سوچتا ہوں اپنے بارے میں تو کہتا ہوں
کہ تُو اک آبلہ ہے جس کو آخر پھوٹ جانا ہے
غرض گرداں ہوں بادِ صبح گاہی کی طرح، لیکن
سحر کی آرزو میں شب کا دامن تھامتا ہوں جب
یہ لڑکا پوچھتا ہے اخترالایمان تم ہی ہو؟
یہ لڑکا پوچھتا ہے جب تو میں جھلاّ کے کہتا ہوں
وہ آشفتہ مزاج، اندوہ پرور، اضطراب آسا
جسے تم پوچھتے رہتے ہو کب کا مر چکا ظالم
اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
اسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں!
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں وہ شعلہ مر چکا جس نے
کبھی چاہا تھا اک خاشاک ِعالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے
یہ کذب و افترا ہے، جھوٹ ہے، دیکھو میں زندہ ہوں!

4.2.6 اخترالایمان کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات

اخترالایمان اردو نظم کے اہم اور منفرد شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کی شاعری زندگی کے حقیقی مسائل، انسانی کرب، سماجی انتشار اور جدید انسان کی تنہائی کی ترجمان ہے۔انہوں نے کسی مخصوص نظریے کی پابندی کے بجائے زندگی کو اس کی مکمل وسعت اور پیچیدگی کے ساتھ پیش کیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری اپنے عہد کے دوسرے شعرا سے مختلف نظر آتی ہے۔

اخترالایمان کی شاعری کی اہم خصوصیت حقیقت نگاری ہے۔ان کی نظموں میں تقسیمِ ہند، فسادات، غربت، اخلاقی زوال اور شہری زندگی کے مسائل نمایاں ہیں۔وہ جدید انسان کی بے بسی، اجنبیت اور داخلی کشمکش کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ان کی نظم ''تبدیلی'' اور ''راہِ فرار'' اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

فنی اعتبار سے اختر الایمان نے اردو نظم کو نیا اسلوب عطا کیا۔ ان کے یہاں مکالماتی، بیانیہ اور ڈرامائی انداز نمایاں ہے۔ ان کی بہت سی نظمیں قصہ سنانے کے انداز میں آگے بڑھتی ہیں، جس سے قاری کو حقیقت کا احساس ہوتا ہے۔ ''ایک لڑکا'' اور ''یادیں'' جیسی نظمیں ان کے بیانیہ اسلوب کی عمدہ مثالیں ہیں۔

اختر الایمان کی شاعری میں علامت اور استعارے کا استعمال بھی بہت اہم ہے۔ وہ عام زندگی کی چیزوں کو علامتی معنی عطا کرتے ہیں۔ ان کے یہاں طنز کا پہلو بھی نمایاں ہے، جس کے ذریعے وہ معاشرتی منافقت اور اخلاقی زوال پر تنقید کرتے ہیں۔ مختصراً، اختر الایمان کی نظم نگاری فکری گہرائی، جدید حسّیت، علامتی انداز، مکالماتی اسلوب اور حقیقت نگاری کی وجہ سے اردو ادب میں منفرد مقام رکھتی ہے۔

4.2.7 منتخبہ نظم کی تشریح

اختر الایمان کی نظم ''ایک لڑکا'' اردو نظم کی اہم اور نمائندہ نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ نظم ان کے شعری مجموعے ''یادیں'' میں شامل ہے جو 1961ء میں شائع ہوا۔ اس نظم میں شاعر نے اپنے بچپن کی یادوں، داخلی کشمکش، خود احتسابی اور انسانی ضمیر کی آواز کو نہایت مؤثر اور فنی انداز میں پیش کیا ہے۔ نظم کا بنیادی موضوع ماضی اور حال کے درمیان ایک فکری اور جذباتی مکالمہ ہے۔ شاعر اپنے بچپن کے اس آزاد، بے فکر اور خوابوں سے بھرپور وجود کو یاد کرتا ہے جو فطرت کی آغوش میں زندگی گزارتا تھا۔ اختر الایمان نے اس نظم میں بیانیہ انداز، علامت نگاری اور ڈرامائی کیفیت کو اس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے کہ قاری خود کو شاعر کے تجربات کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''ایک لڑکا'' اردو نظم میں خود شناسی اور یادِ ماضی کی ایک اہم تخلیق سمجھی جاتی ہے۔ آیئے اس نظم کو سمجھتے ہیں:

پہلا بند

نظم کے آغاز میں شاعر اپنے بچپن کی آزاد، بے فکر اور فطرت سے قریب زندگی کی تصویریں پیش کرتا ہے۔ وہ کبھی گاؤں کے اونچے ٹیلوں، آموں کے باغوں اور کھیتوں کی مینڈوں پر دکھائی دیتا ہے تو کبھی جھیلوں، بستی کی گلیوں اور میلوں ٹھیلوں میں۔ شاعر تتلیوں کے پیچھے بھاگتا، پرندوں کے گھونسلے تلاش کرتا اور ننگے پاؤں جلتی ریت اور سرد ہواؤں میں گھومتا پھرتا نظر آتا ہے۔ ان تصویروں کے ذریعے شاعر نے دیہاتی زندگی کی معصومیت، آزادی اور بچپن کی شوخیوں کو نہایت دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

شاعر اس لڑکے کو ایک آزاد منش اور سیلانی فطرت انسان کے طور پر دیکھتا ہے۔ یہ لڑکا دراصل شاعر کے اپنے ماضی اور ضمیر کی علامت ہے۔ شاعر کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اور ہر موڑ پر اس سے سوال کرتا ہے کہ ''اختر الایمان تم ہی ہو؟''۔ اس سوال کے ذریعے شاعر اپنے حال اور ماضی کا موازنہ کرتا ہے اور اپنی بدلتی ہوئی شخصیت پر غور کرتا ہے۔

دوسرا بند

اس بند میں شاعر خدا کی قدرت اور کائنات کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ زمین، آسمان، سورج، چاند، دریا، سمندر، موتیوں اور خوشبوؤں کا ذکر کر کے اللہ کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے۔ شاعر اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کائنات کی ہر خوبصورتی خدا کی عطا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ شاعر کے دل میں ایک شکوہ بھی پوشیدہ ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا میں نااہل اور کم ظرف لوگ اقتدار اور دولت کے مالک بنے بیٹھے ہیں جبکہ حساس اور باصلاحیت لوگ محرومی کا شکار ہیں۔ شاعر خود کو بھی اسی محروم طبقے میں شامل پاتا ہے۔ جب وہ مجبوری کے تحت دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے تو اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑ کر پھر وہی سوال کرتا ہے: ''اختر الایمان تم ہی ہو؟''۔

تیسرا بند

اس حصے میں شاعر اپنی معاشی مجبوریوں اور فن کار کی بے بسی کو بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دولت اور طاقت دوسروں کے قبضے میں ہے جبکہ اس کے پاس صرف ایک حساس ذہن ہے۔ اس کے باوجود اسے زندگی بھر جدوجہد کرنی ہے۔

شاعر اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ تخلیق کار اپنی جاگتی راتوں اور محنت سے جو فن پارے تخلیق کرتا ہے، معاشرہ ان کی صحیح قدر نہیں کرتا۔ رزق حاصل کرنے کے لیے اسے بااثر لوگوں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ اس صورتحال میں شاعر شدید ذہنی اور روحانی کرب محسوس کرتا

ہے۔اس کے باوجود وہ نئی صبح کی امید پر زندگی کا سفر جاری رکھتا ہے،مگر اس کا ضمیر پھر اسے ٹوکتا ہے کہ کیا وہی شخص اب بھی باقی ہے جو کبھی بلند خواب دیکھتا تھا۔

چوتھا بند

آخری بند نظم کا سب سے اہم اور مؤثر حصہ ہے۔شاعر غصے اور جھنجھلاہٹ میں اپنے ضمیر سے کہتا ہے کہ وہ خواب دیکھنے والا، بے چین اور انقلاب پسند نوجوان اب مر چکا ہے۔وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اپنی آرزوؤں کو دفن کر دیا ہے اور اب اس کے اندر وہ پرانی آگ باقی نہیں رہی۔

لیکن نظم کا اصل نقطۂ عروج اس وقت سامنے آتا ہے جب وہ لڑکا مسکرا کر کہتا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے، کیونکہ وہ اب بھی زندہ ہے۔اس جواب سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کا ضمیر، اس کے خواب اور اس کی اصل شخصیت کبھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوتے۔حالات انسان کو بدل ضرور دیتے ہیں، لیکن اس کے اندر کا سچا انسان زندہ رہتا ہے۔

یوں اختر الایمان نے اس نظم میں یادِ ماضی، خود شناسی، ضمیر کی بیداری اور انسانی زندگی کی داخلی کشمکش کو نہایت مؤثر اور فن کارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

4.2.8 منتخبہ نظم کا مجموعی تاثر اور پیغام

اختر الایمان کی نظم ''ایک لڑکا'' ایک گہری فکری، نفسیاتی اور جذباتی نظم ہے جس میں شاعر نے یادِ ماضی، خود احتسابی اور انسانی ضمیر کی بیداری کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔نظم کا مجموعی تاثر ایک ایسی داخلی کشمکش ہے جس میں انسان اپنے ماضی کے خوابوں، آرزوؤں اور حال کی تلخ حقیقتوں کے درمیان الجھا ہوا نظر آتا ہے۔شاعر اپنے بچپن اور جوانی کے اس آزاد، پرامید اور خواب دیکھنے والے وجود کو یاد کرتا ہے جو فطرت کے قریب، بے فکر اور زندگی سے بھرپور تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ زندگی کی مشکلات، معاشی مسائل اور سماجی حقیقتوں نے اس کی شخصیت کو بدل دیا۔

اس نظم کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا خود کلامی کا انداز ہے۔شاعر اپنے ہی ماضی سے گفتگو کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔اس میں ''ایک لڑکا'' دراصل شاعر کے ضمیر، اس کے ماضی اور اس کی اصل شخصیت کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔یہ لڑکا ہر مرحلے پر شاعر سے سوال کرتا ہے کہ کیا وہی شخص اب بھی باقی ہے جس نے کبھی بلند خواب دیکھے تھے۔اس سوال کے ذریعے نظم انسان کو اپنی ذات کا محاسبہ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

نظم کا پیغام یہ ہے کہ انسان چاہے حالات کے دباؤ میں آ کر اپنے خوابوں اور خواہشوں سے سمجھوتہ کر لے، لیکن اس کے اندر کا سچا انسان اور اس کا ضمیر کبھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا۔وہ ہر لمحہ انسان کو جھنجھوڑتا اور اس کی اصل پہچان یاد دلاتا رہتا ہے۔اختر الایمان نے اس نظم میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ زندگی کی تلخیاں انسان کو تھکا ضرور دیتی ہیں، مگر اس کے اندر امید، خواب اور سچائی کی چنگاری ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

یہ نظم صرف شاعر کی ذاتی کہانی نہیں بلکہ ہر اس انسان کی داستان ہے جو بچپن کے خوابوں اور عملی زندگی کی حقیقتوں کے درمیان اپنے وجود کو تلاش کرتا ہے۔یہی آفاقی کیفیت اس نظم کو اردو ادب کی ایک اہم اور یادگار تخلیق بناتی ہے۔

خود اکتسابی کے لیے سوالات II

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔نظم ''ایک لڑکا'' میں شاعر نے اپنے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی یادوں کو تازہ کیا ہے۔

2۔شاعر کے مطابق وہ لڑکا ہر موڑ پر اس کے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی طرح ساتھ رہتا ہے۔

3۔نظم میں ''یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو'' شاعر کے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی علامت ہے۔

4۔شاعر نے خدا کی نعمتوں میں سورج، چانداور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا ذکر کیا ہے۔
5۔نظم کے آخری حصے میں لڑکا شاعر سے کہتا ہے کہ ''یہ جھوٹ ہے، دیکھو میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہوں''۔

4.3 الفاظ و معنی

الفاظ	معنی
درخشاں	روشن، چمکتا ہوا
غمِ دہر	زمانے کے دکھ
ثبات	پائیداری، دوام
نگوں	جھکی ہوئی
وصل	ملاپ، محبوب سے ملنے کی حالت
بہیمانہ	حیوانی، درندوں جیسا
طلسم	جادو، فریب
اطلس	ریشمی قیمتی کپڑا
کمخواب	سنہری تاروں والا قیمتی کپڑا
کوچہ	گلی
لتھڑے ہوئے	آلودہ، لپٹے ہوئے
تنور	بھٹی
ناسور	پرانا زخم
دلکش	دل کو اپنی طرف کھینچنے والا
دیارِ شرق	مشرق کا علاقہ
مینڈ	کھیت کی کنارے کی پگڈنڈی
سحر دم	صبح کے وقت
تعاقب	پیچھا کرنا
نہفتہ	پوشیدہ، چھپا ہوا
یخ بستہ	بہت سرد
گریزاں	بھاگتا ہوا، دور رہنے والا
پیچاں	بل کھاتا ہوا
چشمِ خوں بستہ	خون جمی ہوئی آنکھ
آوارہ منش	آزاد طبیعت
سیلانی	گھومنے پھرنے والا
ہم زاد	ساتھ پیدا ہونے والا ساتھی

جولاں	گھومتا پھرنے والا
معترف	اقرار کرنے والا
دیبا	ریشمی کپڑا
خیمۂ افلاک	آسمان کا خیمہ
حدِ فاصل	درمیانی حد
خسروی	بادشاہت
لئیم	کمینہ شخص
تونگر	مال دار
دریوزہ گر	بھکاری
ذہنِ رسا	تیز اور سمجھ دار ذہن
خروش	جوش، شور
عناصر	آگ، پانی، ہوا اور مٹی
تحصیل	حاصل کرنا
خامہ سوزی	لکھنے کی مشقت
آبلہ	چھالا
آشفتہ مزاج	پریشان طبیعت
اضطراب آسا	بے چینی پیدا کرنے والا
خاشاک	گھاس پھونس، بے وقعت چیز
کذب وافترا	جھوٹ اور بہتان

4.4 خود اکتسابی سوالات کے جوابات

I

1۔ فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔
2۔ فیض کا پہلا شعری مجموعہ نقشِ فریادی ہے۔
3۔ اختر الایمان اردو کے ممتاز نظم نگار شاعر ہیں۔
4۔ یہ نظم نقشِ فریادی میں شامل ہے۔
5۔ نظم کا بنیادی موضوع عشق سے انسان دوستی کی طرف سفر ہے۔

II

1۔ بچپن
2۔ سائے
3۔ ضمیر

4۔ تاروں

5۔ زندہ

4.5 خلاصہ

اس اکائی میں اردو نظم کے دو اہم اور ممتاز شعرا فیض احمد فیض اور اختر الایمان کی منتخب نظموں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس اکائی کا بنیادی مقصد طلبہ کو جدید اردو نظم کے فکری، فنی اور جمالیاتی پہلوؤں سے روشناس کرانا ہے۔ اس میں ایک طرف فیض کی نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ'' کے ذریعے رومانیت اور سماجی شعور کے حسین امتزاج کو واضح کیا گیا ہے، تو دوسری طرف اختر الایمان کی نظم ''ایک لڑکا'' کے ذریعے یادِ ماضی، خود کلامی، داخلی کشمکش اور انسانی ضمیر کی بیداری کو نمایاں کیا گیا ہے۔

اکائی کے ابتدائی حصے میں فیض احمد فیض کی شخصیت، ادبی خدمات اور نظم نگاری پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ فیض ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے، لیکن ان کی شاعری محض نعرہ بازی یا سیاسی تبلیغ تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں حسن، محبت، انسان دوستی اور فنی لطافت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں غمِ عشق اور غمِ روزگار دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ فیض نے انسانی زندگی کے دکھوں، محرومیوں اور سماجی ناانصافیوں کو نہایت نرم، مترنم اور علامتی انداز میں پیش کیا۔

فیض کی نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ'' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں شاعر صرف محبوب کی محبت کو زندگی کی سب سے بڑی حقیقت سمجھتا ہے، لیکن جب اس کی نگاہ معاشرے کے مظلوم اور محروم انسانوں پر پڑتی ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں محبت کے علاوہ بھی بے شمار دکھ موجود ہیں۔ یہی احساس اسے ذاتی عشق کی دنیا سے نکال کر اجتماعی غم اور انسانی خدمت کی طرف لے جاتا ہے۔ نظم میں رومان اور حقیقت نگاری کا حسین امتزاج ہے۔ محبوب کا حسن اپنی جگہ دلکش ہے، مگر شاعر انسانی معاشرے کی غربت، بیماری، استحصال اور ظلم کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

اکائی کے دوسرے حصے میں اختر الایمان کی نظم ''ایک لڑکا'' کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اختر الایمان جدید اردو نظم کے ایک منفرد شاعر ہیں جن کی شاعری میں بیانیہ انداز، خود کلامی، نفسیاتی گہرائی اور علامتی اظہار نمایاں طور پر موجود ہے۔ ان کی نظموں میں ماضی کی یادیں، داخلی اضطراب اور سماجی حقیقتیں ایک ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔

''ایک لڑکا'' دراصل شاعر کے بچپن، اس کی یادوں اور اس کے ضمیر کی علامتی داستان ہے۔ شاعر اپنے بچپن کے آزاد، بے فکر اور فطرت سے قریب ایام کو یاد کرتا ہے۔ کھیت، باغ، جھیلیں، میلے، پرندے اور دیہات کی زندگی نظم میں ایک حسین منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ شاعر محسوس کرتا ہے کہ اس کا بچپن اس کے ساتھ سائے کی طرح چل رہا ہے اور اس کا ضمیر بار بار اس سے سوال کرتا ہے کہ کیا وہی شخص اب بھی موجود ہے جس نے جوانی میں بلند خواب دیکھے تھے۔

نظم کے اگلے حصوں میں شاعر زندگی کی تلخ حقیقتوں، معاشی ناہمواریوں اور اپنی ناکامیوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ خدا کی نعمتوں کا اعتراف بھی کرتا ہے، مگر ساتھ ہی اس بات کا شکوہ بھی محسوس کرتا ہے کہ معاشرے میں نااہل اور کم ظرف لوگ اقتدار اور دولت کے مالک بن گئے ہیں جبکہ حساس اور باصلاحیت افراد محرومی کا شکار ہیں۔ نظم کا آخری حصہ نہایت اثر انگیز ہے جہاں شاعر اپنے ماضی کے خوابوں کو مردہ قرار دیتا ہے، لیکن اس کا ضمیر اس سے کہتا ہے کہ وہ خواب اب بھی زندہ ہیں۔

اس اکائی کے مطالعے سے طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ جدید اردو نظم صرف جذبات و احساسات کا اظہار نہیں بلکہ انسانی زندگی، سماج، سیاست، معاشرت اور داخلی کرب کی بھرپور ترجمان بھی ہے۔ فیض اور اختر الایمان دونوں نے اپنی نظموں کے ذریعے انسان کے باطن اور معاشرے کی حقیقتوں کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری میں فکری گہرائی، جذباتی تاثیر، علامتی اندازِ بیان، پیکر تراشی اور نغمگی نمایاں طور پر موجود ہے۔ یہی خصوصیات ان دونوں شاعروں کو جدید اردو نظم کے اہم ترین شعرا میں شامل کرتی ہیں۔

4.6 خود اکتسابی کے لیے مشق

تحریری سرگرمیاں:

درج ذیل مصرعوں کا مطلب مختصراً بیان کیجیے۔

''تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے''

''اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا''

''ہوا میں تیرتا خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا''

''صبح کی آرزو میں شب کا دامن تھامتا ہوں''

آسان سوالات

(دو تین سطروں میں جواب دیں)

1۔فیض نے ''اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' کہہ کر کس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے؟

2۔اختر الایمان کی نظم میں ''لڑکا'' کس چیز کی علامت ہے؟

3۔''تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات'' سے کیا مراد ہے؟

4۔اختر الایمان نے بچپن کی زندگی کو کیوں یاد کیا ہے؟

5۔''کوچہ و بازار میں جسم'' سے شاعر نے کس سماجی مسئلے کو بیان کیا ہے؟

خالی جگہ پُر کیجیے

1۔فیض احمد فیض کے پہلے شعری مجموعے کا نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

2۔''مجھ سے پہلی سی محبت...'' نظم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تحریک کے اثرات کی نمائندہ نظم ہے۔

3۔اختر الایمان کی نظم ''ایک لڑکا'' ان کے شعری مجموعے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں شامل ہے۔

4۔''یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو'' میں لڑکا شاعر کے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی علامت ہے۔

5۔''جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم'' میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا منظر پیش کیا گیا ہے۔

خود مثال بنائیے

(بہت سادہ جملے لکھیں)

1۔تشبیہ کی ایک مثال لکھیے۔

مثال: ''بادل کی طرح اڑتا''

2۔استعارے کی ایک مثال لکھیے۔

مثال: ''بہیمانہ طلسم''

3۔تضاد کی ایک مثال لکھیے۔

مثال: ''اندھیرا اور اجالا''

مختصر رائے

1۔آپ کے خیال میں فیض نے ذاتی محبت کے مقابلے میں اجتماعی مسائل کو کیوں ترجیح دی؟
2۔اختر الایمان کی نظم میں ماضی کی یادیں زیادہ مؤثر ہیں یا حال کی تلخی؟ مختصر اظہارِ خیال کیجیے۔

کام کا تجربہ:

اردو سے مراٹھی میں ترجمہ کیجیے:

1۔فیض نے محبت سے زیادہ انسانیت کے مسائل کو اہم قرار دیا ہے۔
2۔اختر الایمان کی نظم میں بچپن کی یادیں بڑی دلکش ہیں۔
3۔''ایک لڑکا'' میں ضمیر کی آواز کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔
4۔فیض کی شاعری میں رومانیت اور انقلاب دونوں موجود ہیں۔
5۔شاعر نے معاشرتی ناانصافیوں کی تصویر کشی کی ہے۔
6۔اختر الایمان نے دیہاتی زندگی کے مناظر پیش کیے ہیں۔
7۔''مجھ سے پہلی سی محبت'' ترقی پسند فکر کی نمائندہ نظم ہے۔
8۔فیض کی نظم میں مظلوم انسانوں کا درد بیان ہوا ہے۔
9۔''ایک لڑکا'' خود احتسابی کی نظم ہے۔
10۔دونوں شاعروں نے جدید اردو نظم کو نئی سمت عطا کی۔

4.7 مشقی سوالات

1۔فیض احمد فیض کی شخصیت اور شاعری پر روشنی ڈالیے۔
2۔نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ'' کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔
3۔فیض کی شاعری میں رومانیت اور ترقی پسندی کے امتزاج پر گفتگو کیجیے۔
4۔اختر الایمان کی نظم ''ایک لڑکا'' کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
5۔''ایک لڑکا'' میں ماضی، حال اور ضمیر کی کشمکش کو واضح کیجیے۔

4.8 مزید مطالعے کے لیے کتب

1۔فیض احمد فیض، نقش فریادی
2۔اختر الایمان، کلیاتِ اختر الایمان
3۔اطہر نبی، فیض احمد فیض شخص اور شاعر
4۔ڈاکٹر شفیق اشرفی، فیض احمد فیض افکار و اقدار
5۔اختر الایمان، اس آباد خرابے میں
6۔شکیل الرحمٰن، اختر الایمان: ایک جمالیاتی لیجنڈ
7۔نسیم اختر، اختر الایمان: تفہیم و تشخص